صرف احمدی نوجوانوں کے لئے

اگست 1992ء

فہرست مضامین

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

ایک احمدی نوجوان کی کامیابی

اسلامیہ کالج سول لائنز میں فورتھ ایئر کے طالب علم منصور احمد خان صاحب ابن مکرم حبیب احمد خان صاحب نے پاکستان یونیورسٹی سپورٹس بورڈ کی طرف سے انٹر یونیورسٹی چیمپیئن شپ 92-1991ء کے ویٹ لفٹنگ کے مقابلہ جات میں اول پوزیشن حاصل کرکے اپنی کیٹگری کے چیمپیئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز ان کے لئے مبارک کرے۔ عزیزم منصور احمد قیادت اسلام پورہ حلقہ چوہان پارک لاہور سے تعلق رکھتے ہیں اور زعامت کے فعال کارکن بھی شمار ہوتے ہیں۔ ادارہ خالد انہیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

اداریہ

تحریکِ پاکستان اور جماعتِ احمدیہ

ع ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں

خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان سے جماعت احمدیہ ایک پر امن جماعت ہے خدمت خلق اور بنی نوع انسان سے ہمدردی اس کا شعار ہے اور ہمارا نعرہ ہی یہ ہے۔ "محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں" وطن سے محبت ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ جماعت احمدیہ کی ساری تاریخ ایک کھلی کتاب کی طرح سامنے ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا معاملہ ہو، کشمیر میں مسلمانوں کا مسئلہ ہو، تحریک پاکستان کی جدو جہد ہو۔ ہر جگہ جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت کی حقیقت سے بحیثیت مجموعی پیش پیش رہی ہے۔ اور جماعت کا وطن کی خدمت کا یہ جذبہ قیام پاکستان کے بعد بھی پورے زور وشور سے جاری رہا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے ملک و قوم کا نام روشن کرنے میں مصروف ہے۔ ان کے علاوہ جماعت کو خدا تعالیٰ نے ایسے سپوت عطا فرمائے جو اپنی ملی اور قومی خدمات کے لحاظ سے ایک نمایاں اور ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ ان سپوتوں نے اپنے ملک اور قوم اور ملت کے لئے خصوصاً اور انسانیت کے لئے عموماً ایسے ایسے عظیم کارنامے سرانجام دئے ہیں جو کہ تاریخ کے انمٹ باب ہیں اور اپنے اور بیگانے سبھی داد دیتے ہیں۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، جنرل اختر حسین صاحب ملک، جنرل عبد العلی صاحب ملک جناب ایم۔ ایم۔ احمد اور اسلامی دنیا کے پہلے نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جماعت احمدیہ کا کردار پاکستان کے حصول میں کیا رہا اور مسلمانوں کے حقوق کا کس طرح امام جماعت احمدیہ نے دفاع کیا۔ اس کی چند ایک مثالیں مشتے از خروارے کے طور پر غیر احمدی ادیبوں اور صحافیوں کے اقرار کی صورت میں ملاحظہ فرمائیں۔

نہرو رپورٹ کارد

1938ء میں مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ کے نام سے ایک لاجواب کتاب تحریر فرمائی جس میں مسلمانوں کے حقوق کی تائید میں زبردست دلائل دئے۔

اپنے وقت کی ممتاز ادبی وصحافتی شخصیات نے دل کھول کر حضرت امام جماعت احمدیہ کے جذبہ حب الوطنی کو سراہا اور

مسلمانوں کے حقوق کے لئے حضور کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار "ہمدرد" مورخہ 26 ستمبر 1927ء میں لکھا۔

"ناشکری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبود کے لئے وقف کر دی ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب کہ اسلام کے لئے اس منظم فرقے کا طرز عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص (جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں) مشعل رہ ثابت ہوگا"۔

جناب سید حبیب صاحب مدیر روزنامہ "سیاست" نے لکھا۔

"مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب مرزا بشیر الدین محموداحمد صاحب نے میدان تصنیف و تالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و افادہ ہر تعریف کا مستحق ہے۔ آپ کی سیاست کا ایک زمانہ قائل ہے اور نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطہ سے آپ نے بہت ہی قابل تعریف کام کیا ہے"۔ (سیاست 2 نومبر 1930ء)

اخبار "انقلاب" کے مولانا عبدالمجید سالک نے 16 نومبر 1930ء کی اشاعت میں لکھا

"جناب مرزا بشیر الدین محمود نے اس تبصرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے جو بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا وہ مرزا صاحب نے انجام دیا"۔

قائداعظم کو واپس سیاست میں لانا

بانی پاکستان محمد علی جناح جب ہندوستانی سیاست سے مایوس ہو کر لندن منتقل ہوگئے تو اس وقت حضرت امام جماعت احمدیہ کا مسلمانوں کی فلاح بہبود کے جذبہ سے سرشار دل تڑپ اٹھا اور آپ نے امام بیت الفضل لندن مولانا عبدالرحیم صاحب درد (ایم۔ اے) کے ذریعہ قائداعظم پر زور ڈالا کہ وہ دوبارہ ہندوستانی سیاست میں آئیں۔ چنانچہ مولانا درد صاحب کے مسلسل اور پر اخلاص اصرار کے نتیجہ میں قائداعظم ہندوستان واپس آئے اور مسلمانوں کی خدمت پر کمر بستہ ہونے کے لئے تیار ہوگئے اور بے ساختہ کہا۔ "امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب و تلقین نے میرے لئے کوئی جائے فرار باقی نہیں چھوڑی"۔

مسلم لیگ کی حمایت

اس وقت جب کہ اسلام کا نام لینے والی بڑی بڑی مذہبی جماعتوں نے مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے برخلاف کانگرس کی نمک حلال بنی رہیں۔ اس وقت جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا اور اس کا ثبوت بھی تاریخ کے

اوراق میں محفوظ ہے۔ چنانچہ مجلس احرار نے 1946ء میں ایک کتابچہ شائع کیا جس میں اس نے لکھا۔
"........جب سنٹرل وسطیٰ کے الیکشن شروع ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے"۔ (صفحہ 18)
قیام پاکستان کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ
"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقع میسر آگیا ہے اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب ان کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے........"۔ (الفضل 23 مارچ 1956ء)

یہ تو چند ایک حوالے تھے ورنہ تو پاکستان کی تاریخ کے صفحوں کے صفحے جماعت احمدیہ کی حب الوطنی کے جذبہ سے اور قوم و ملک کی خاطر قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ غرض یہ کہ آج کے دور میں اس تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن ان حقائق کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جماعت احمدیہ شروع سے لیکر آخر تک ایک محبِ وطن جماعت رہی ہے۔ جماعت احمدیہ کا تو ہر فرد کلمہ شہادت کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ
"میں اقرار کرتا ہوں کہ دینی، قومی اور ملی مفاد کی خاطر میں اپنی جان مال وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گا....."۔

یہ تو ہر احمدی کا فریضہ ہے جسے وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر اقرار کرتا ہے اور عہد کرتا ہے اور خدا کے فضل سے آج تک سرمو بھی اس سے انحراف نہیں کیا اور نہ کرے گا۔ انشاء اللہ۔ کیونکہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "حب الوطنِ من الایمان" کہ وطن سے محبت ایمان کا جزو ہے۔

استفادہ از "تعمیر و ترقی پاکستان اور جماعتِ احمدیہ" مؤلفہ پروفیسر محمد نصر راجا صاحب

وطن سے محبّت ایمان کا جُزو ہے۔

جلد 39 شمارہ 10 قیمت 4 روپے

پبلشر۔ مبارک احمد خالد، پرنٹر قاضی منیر احمد، مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

کلام الامام امام الکلام

کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"میری تمام جماعت جو اس جگہ حاضر ہیں یا اپنے مقامات میں بودوباش رکھتے ہیں اس وصیت کو توجہ سے سنیں کہ وہ جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے ساتھ تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جائیں اور کوئی فساد اور شرارت اور بد چلنی ان کے نزدیک نہ آسکے۔ وہ پنجوقت نماز با جماعت کے پابند ہوں۔ جھوٹ نہ بولیں وہ کسی کو زبان سے ایذاء نہ دیں۔ وہ کسی قسم کی بدکاری کے مرتکب نہ ہوں اور کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ غرض ہر ایک قسم کے معاصی اور جرائم اور ناکردنی او ناگفتنی اور تمام نفسانی جذبات اور بے جا حرکات سے مجتنب رہیں اور خدا تعالیٰ کے پاک دل اور بے شر اور غریب مزاج بندے ہو جائیں..... عفو اور درگزر کی عادت ڈالو او صبر اور حلم سے کام لو اور کسی پر ناجائز طریق سے حملہ نہ کرو اور جذباتِ نفس کو دبائے رکھو اور اگر کوئی بحث کرو یا کوئی مذہبی گفتگو ہو تو نرم الفاظ اور مہذبانہ طریق سے کرو... جو شخص ہماری جماعت میں غربت اور نیکی اور پرہیز گاری اور حلم اور نیک مزاجی اور نیک چلنی کے ساتھ رہ نہیں سکتا وہ جلد ہم سے جدا ہو جائے کیونکہ ہمارا خدا نہیں چاہتا کہ ایسا شخص ہم میں رہے اور یقیناً وہ بدبختی میں مرے گا کیونکہ اس نے نیک راہ کو اختیار نہ کیا۔ سو تم ہوشیار ہو جاؤ اور واقعی نیک دل اور غریب مزاج اور راست باز بن جاؤ۔ تم پنجوقتہ نماز اور اخلاقی حالت سے شناخت کئے جاؤ گے اور جس میں بدی کا بیج ہے وہ اس نصیحت پر قائم نہیں رہ سکے گا"۔ (تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 42 بحوالہ مرزا غلام احمد اپنی تحریروں کی روح سے صفحہ 142)

"سب سے سیدھی راہ اور بڑا ذریعہ جو انوار یقین اور تواتر سے بھرا ہوا اور ہماری روحانی بھلائی اور ترقی علمی کے لئے کامل رہنما ہے قرآن کریم ہے۔ جو تمام دنیا کے دینی نزاعوں کے فیصل کرنے کا متکفل ہو کر آیا ہے جس کی آیت آیت اور لفظ لفظ ہزارہا طور کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے اور جس میں بہت سا آب حیات ہماری زندگی کے لئے بھرا ہوا ہے اور بہت سے نادر اور بیش قیمت جواہر اپنے اندر مخفی رکھتا ہے جو ہر روز ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یہی ایک روشن چراغ ہے جو عین سچائی کی راہیں دکھاتا ہے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ 82۔ 281)

دعوۃ الی اللہ

ہر احمدی کا فریضہ

(عبدالغفور نجم صاحب ۔ کوٹلی، آزاد کشمیر)

دعوت الی اللہ لوگوں کو سچے دین (دین حقیقی۔ ناقل) کی تعلیمات سے روشناس کروانے کو کہتے ہیں۔ اگر ہم اسے ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کریں تو دعوت الی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں ہم لوگوں کو احمدیت .... کی تعلیم سے روشناس کروائیں اور یہی دعوت الی اللہ ہے۔ اس کے بجالانے والے کو داعی کہتے ہیں۔

ہماری جماعت کے دوسرے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی کتاب "کلام محمود" میں بیان فرماتے ہیں۔

خدمتِ دین ... کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

آپ میں سے بعض کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ شاید دعوت الی اللہ کرنا ہم پر فرض نہیں ہوا ہے کیونکہ یہ صرف پڑھے ہوئے لوگوں کے لئے اور عالموں پر فرض ہے تو ایسا درست نہیں کیونکہ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع فرماتے ہیں کہ

"ہر احمدی مرد، ہر احمدی عورت اور ہر احمدی بچے کو اپنے ماحول میں کام کرنا (دعوت الی اللہ کرنا) ہوگا۔ اور اس کے علم کی کمی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوگی کیونکہ اب ایسے ذرائع پیدا ہو چکے ہیں مثلاً کیسٹ کے، لٹریچر کے کہ کم علم لوگ بھی جن کو زبان پر بھی عبور نہیں ہے وہ بھی اچھی (دعوت الی اللہ) کر لیتے ہیں"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 4 اکتوبر 1985ء بمقام سپین)

"ہر احمدی داعی الی اللہ ہے۔ وہ وقت گزر گیا جب چند داعیان الی اللہ پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اب تو بچوں کو بھی داعی الی اللہ بننا پڑے گا۔ بوڑھوں کو بھی داعی الی اللہ بننا پڑے گا۔ یہاں تک کہ بستر پر لیٹے ہوئے بیماروں کو بھی داعی الی اللہ بننا پڑے گا اور کچھ نہیں وہ دعاؤں کے ذریعے ہی دعوت الی اللہ کے جہاد میں شامل ہو سکتے ہیں"۔ (خطبہ جمعہ 4 مارچ 1983ء بمقام بیت اقصیٰ ربوہ)

یہاں تک آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کوئی احمدی بھی دعوت الی اللہ کے کرنے سے بھی کسی طور مستثنیٰ نہیں بلکہ ہر ایک پر دعوت الی اللہ فرض ہے۔

پیارے خدام بھائیو! اب میں آپ کو دعوت الی اللہ کرنے کے چند گر بتاتا ہوں۔

○ آپ احمدیت کی تعلیمات پر کما حقہ پابند ہو جائیں۔ پانچ

وقت نماز ادا کریں۔ نیز نمازوں میں دعا کرنے کی عادت ڈالیں۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے فرمایا ہے کہ

رغبتِ دل سے ہو پابندِ نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصّۂ احکام نہ ہو

○ اپنے ماں باپ کی کامل فرمانبرداری کریں۔

○ آپ اپنی کلاس میں زیادہ سے زیادہ لڑکوں سے دوستی کا دامن بڑھائیں۔

○ اپنی جماعت کے لڑکوں کے سکول کے کام میں ہاتھ بٹائیں مثلاً اگر کوئی سبق انہیں نہیں آتا اور آپ کو آتا ہے تو انہیں بھی بتا دیں۔

○ آپ اپنے سے بڑے لوگوں کا ادب کریں اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ کیونکہ حضرت مصلح موعود.... فرماتے ہیں کہ

سیلف ریسپکٹ کا بھی خیال رکھو تم بے شک
یہ نہ ہو پر کہ کسی شخص کا اِکرام نہ ہو
نیز یہ کہ با ادب با مراد۔ بے ادب بے مراد

○ اگر کوئی لڑکا آپ کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو آپ اس پر غصہ نہ کریں بلکہ نہایت ہی تحمل اور بردباری سے کام لیں اور اس کی غلطی کو حتی المقدور نظر انداز کر دیں کیونکہ حضرت مصلح موعود..... فرماتے ہیں کہ

میں اپنے پیاروں کی نسبت ہر گز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شیروں کی طرح غراتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں تو منہ میں کف بھر لاتے ہوں

○ آپ اپنا لباس صاف ستھرا رکھیں اور گندی چیزوں سے نفرت کریں۔

○ آپ اپنے تمام اسباق کو صحیح معنوں میں یاد کریں اور کلاس میں ہمیشہ اچھی پوزیشن بلکہ اول پوزیشن حاصل کریں۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا

"تیرے فرقہ کے لوگ علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے"

○ آپ اپنے اساتذہ کرام کا ادب کرنے والے ہوں۔ نیز کوئی ایسی حرکت کے مرتکب نہ ہوں جس سے کوئی فتنہ پھیلنے کا امکان ہو۔ کیونکہ حضرت مصلح موعود.... اپنی کتاب "کلام محمود" میں ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ

امن کے ساتھ رہو فتنوں میں حصہ مت لو
باعثِ فکر و پریشانئِ حکام نہ ہو

اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ احمدی صلح پسند ہوتے ہیں اور فتنے نہیں پھیلاتے۔

○ آپ ہمیشہ جھوٹ سے اجتناب کریں نیز گالی گلوچ سے بھی اجتناب برتیں۔ کیونکہ احمدی جھوٹ نہیں بولتے اور گالی گلوچ بھی نہیں دیتے اور سچے ہیں۔

○ آپ ان کو اپنے مربی صاحب یا ناظم صاحب سلسلہ سے کوئی کتاب یا لٹریچر لے کر دیں اور انہیں پڑھنے کے لئے کہیں۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہو گا جب آپ ان سے زیادہ سے زیادہ پیار اور محبت اور اخلاق سے پیش آئیں گے۔

○ اگر آپ کی مجلس کے زیر اہتمام کسی کھیل کا انتظام ہو تو انہیں اپنے ساتھ کھلائیں۔ اس سے آپ کی دوستی کا رشتہ دوام پکڑے گا یعنی مضبوط ہو گا۔

بقیہ ص...... 27 پر

پاکستان میں نفاذِ اسلام کا عمل

(جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال ۔۔۔)

یہ لیکچر انگریزی روزنامہ "مسلم" اسلام آباد کی ۵ر جنوری ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں چھپا تھا۔ اس کے مکمل متن کا ترجمہ مکرم یوسف سہیل شوق صاحب نے کیا ہے۔ ہم بعض حصوں کو روزنامہ مسلم اور شوق صاحب کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

○ یہاں کے عوام حکومتوں، مُلّاؤں اور پیروں کے ظلم و ستم کا شکار رہے ہیں۔

○ نفاذِ اسلام کی اصطلاح پہلی بار ضیاء دَور میں استعمال کی گئی۔

○ سر سیّد کی کوششوں کو "تحریکِ خلافت" کے ذریعہ سبوتاژ کر دیا گیا۔

○ اسلام کو سیاسی طور پر منفی انداز میں استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

○ ۱۹۵۳ء کی تحریک کا مقصد خواجہ ناظم الدین اور سر محمد ظفر اللہ خان کو وزارت سے ہٹانا تھا۔

○ ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کا مقصد بھی صرف اور صرف بھٹو کو ہٹانا تھا۔

○ ہمارا انسانی حقوق کا ریکارڈ بہت اچھا نہیں ہے۔

○ احمدیوں کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم کہنے اور اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کہنے پر گرفتار کرنے اور سزا دینے کا قانون مضحکہ خیز ہے۔

○ شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج ۔۔۔ عالمی برادری میں جگ ہنسائی کا موجب ہوگا۔

○ شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج جیسے کاموں میں اپنی توانائیوں کو ضائع نہ کریں۔

○ وفاقی شرعی عدالتیں ضیاء الحق نے اپنی ذاتی خواہش سے بنائیں کیونکہ وہ کوئی خلافِ مرضی فیصلہ نہیں چاہتا تھا۔

مساوات، اتحاد اور آزادی، صرف مسلمانوں کے لیئے نہیں بلکہ ہر اُس شخص کے لیئے ہے جو مُلک میں رہتا ہے۔

لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا ایک لیکچر۔ یہ لیکچر پاکستان کے انگریزی روزنامہ "مسلم" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے متن کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ واضح رہے کہ جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب خود بھی ضیاء دور میں عدالت عالیہ کے وقیع عہدہ پر فائزرہ چکے ہیں۔

تمہید

یہاں کے عوام حکومتوں، ملاؤں اور پیروں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے مقالے کے ابتدائی حصے میں جسے تمہید قرار دیا جا سکتا ہے۔ جنوبی ایشیا (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام کے ذریعے عام عوام کے استحصال کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کے مصرعے

کشتۂ سلطانی و ملائے و پیری

کے حوالے سے بتایا ہے کہ یہاں کے عوام حکومتوں، ملاؤں اور پیروں کے ظلم و ستم کا شکار رہے ہیں۔ یہ طاقتیں مسلمانوں کے فکری انحطاط کی ذمہ دار ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے ملاؤں کے اسلام کو روایت پسند CONVENTIONAL اور پڑھے لکھے لوگوں کے اسلام کو اصلاح پسند REFORMIST قرار دیا ہے۔ روایت پسند لوگ وہ ہیں جو سخت تنگ نظر موقف کے حامی ہیں۔ جبکہ اصلاح پسند لوگ وقت اور زمانے کے تقاضوں کے تحت تبدیلی کے قانون پر عمل چاہتے ہیں اور اسلام کے نظریات کی حالات اور زمانے کے مطابق تشکیل نو چاہتے ہیں۔ اصلاح لوگ اسلام کے بنیادی اصولوں، پنج اراکین اسلام، عبادات وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتے بلکہ معاملات میں ایسی تبدیلی چاہتے ہیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے اندر اور ساتھ ہی ساتھ بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

اس ضمن میں ایک اہم سوال جو اٹھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی تشریح اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق اس کے احکام کی تعبیر کا اختیار کس کو ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ اقبال کی دلیل کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے

کہ "اجتہاد" کا اختیار پارلیمنٹ کو ہونا چاہیئے۔ پاکستان کے آجکل کے حالات میں فی الحقیقت یہ اختیار عوام کو یا عوام کی منتخب پارلیمنٹ کو حاصل نہیں ہے بلکہ وفاقی شریعت کورٹ کو حاصل ہے۔ جس نے حال ہی میں شریعت بل کے دو اہم نکات کو خلاف اسلام قرار دے دیا ہے اور حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ چھ ماہ کے عرصہ میں ملک سے سود کو ختم کر کے اس کی جگہ سود سے پاک نظام معیشت رائج کرے۔ یہ حکم دینا پارلیمنٹ کی اور آئین کی بالادستی کو ختم کرنا ہے۔ حکومت ملاؤں کے اس قدر دباؤ میں ہے کہ اس نے اب تک اس فیصلہ کے خلاف اپیل بھی نہیں کی۔ کیونکہ روایت پرستوں نے حکومت پر دباؤ ڈالا ہوا ہے کہ اس فیصلہ کے خلاف اپیل نہ کی جائے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال سوال کرتے ہیں کہ آخر اپیل کورٹ کس مقصد کے لئے ہوتی ہے اگر یہاں اپیل نہیں کی جاتی تو اس کا مقصد کیا باقی رہ جاتا ہے؟۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ آج اسلامائزیشن کی اصلاح استعمال کی جارہی ہے اور یہ سمجھا جارہا ہے کہ اسلام کے نفاذ کا عمل گویا آج ہی (ضیاء کے دور) شروع ہوا ہے۔ حالانکہ اسلام کے نفاذ کا عمل انگریز کے دور سے شروع ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے ذاتی معاملات کیلئے مسلم پرسنل لاز (PERSONAL LAWS MUSLIM) بنائے گئے اور مسلمانوں کے معاملات کا تصفیہ انہیں کے مطابق ہوتا رہا۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے ذاتی معاملات کا تصفیہ ان کے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کے حامل جج صاحبان سالہا سال کرتے رہے اور ایک بھی عالم نے ایک بھی دن یہ اعتراض نہیں کیا کہ مسلمانوں کے پرسنل لاز کی سماعت صرف مسلمان جج کریں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ججوں اور وکلاء کی یہ ٹریننگ ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی قانون کے پیش نظر انصاف کی ذمہ داری اور قانون کی تشریح کا کام کر سکتے ہیں انگریز کے دور میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو قوانین بنے ان میں وقف املاک کا قانون، مسلم شادیوں کی تحلیل کا قانون 1939ء MUSLIM DISSOLUTION OF MARRIAGES ACT نافذ کیا گیا موخرالذکر قانون کے تحت فقہ حنفیہ کے مطابق مسلمان خواتین کے طلاق و خلع کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔

اس کے بعد جناب ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے لیکچر میں جو کہا اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر صاحب کے نظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں ہے)

نفاذ اسلام کی اصطلاح پہلی بار ضیاء دور میں استعمال کی گئی

"..... تو بہر حال میں بتا یہ رہا ہوں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل برطانوی دور اقتدار سے لیکر ایوب خان کے دور تک جاری رہا ہے۔ لیکن اس وقت اسے اسلامائزیشن (نفاذ اسلام کا عمل) نہیں کہا جاتا تھا۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ اسلام نافذ کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ ایسے قوانین نافذ کر رہے تھے جو جدید دور کی مسلمان سوسائٹی کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔ اور انہوں نے اس بارے میں کبھی بھی غیر معمولی تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے 1949ء میں قرارداد مقاصد پاس

کی جس میں صرف اصولی ہدایات درج کی گئی تھیں اور بنیادی اصول بیان کئے گئے تھے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ بیان کیا جائے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک بننا چاہتا ہے نہ یہ کہ یہ حقیقی طور پر اسلامی ملک بن چکا ہے۔ اس میں ایک ایسے آئیڈیل کو حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کی گئی تھی جو بظاہر ناممکن الحصول تھا۔ تاہم بہر حال اس سے محض اس تمنا کا اظہار مقصود تھا۔ اس میں ایک ایسے آئیڈیل کو حاصل کرنے کا ذکر تھا جس کی تائید بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس لحاظ سے بہر حال یہ قرارداد مقاصد محض ایک تمنا کا اعلان تھی۔

اس کے بعد مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے ہم اس دور میں آتے ہیں جبکہ اس اصطلاح کو پہلی بار ضیاء کے دور میں استعمال کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس اصطلاح "نفاذ اسلام کا عمل" (اسلامائزیشن) کو استعمال کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کی وضاحت کے لئے مجھے پھر پیچھے جانا پڑے گا۔

تحریک خلافت کے تحت ہجرت کی تحریک اگر کامیاب ہوجاتی۔ تو پاکستان کبھی بھی نہ بن سکتا تھا سرسید کی کوششوں کو تحریک خلافت کے ذریعہ سبوتاژ کردیا گیا

سب سے پہلے بات یہ ہے کہ جب سے ملک بنا ہے تب سے اس دور تک روایتی اسلام کے نفاذ کی کبھی بھی سیاسی طور کوشش نہیں کی گئی۔ اگر ہم تاریخ پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلے گا کہ برصغیر کی تاریخ میں دو مواقع ایسے آئے جب کہ ملک کی سیاسی قیادت مذہبی لوگوں کے ہاتھ میں آئی تھی۔ پہلا وقت سید احمد بریلوی کا تھا۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے کلی طور پر تباہ کن تھا اور بالآخر اس کا انجام 1857ء کے غدر پر ہوا۔ آپ میں سے جو تاریخ کے طالب علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس میں انگریزوں نے مسلمانوں کو کامل شکست دی اور پوری طرح اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد مسلمانوں پر کیا بیتی۔ ہوا یہ کہ وہ کم از کم 50 سال پیچھے جا پڑے۔ ہندوؤں میں راجہ رام موہن رائے سرسید احمد خان کے ہم منصب تھے وہ سرسید احمد خان کے نظریات سے پچاس سال آگے تھے۔

چنانچہ یہ سرسید احمد خان تھے جن سے ہم نے اصلاح کا دور شروع کیا۔ انہوں نے تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی دور کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ ان کی تمام کوششوں کو تحریک خلافت کے ذریعے سبوتاژ کردیا گیا۔ آپ میں سے جو تاریخ کے ان اوراق سے واقف ہیں جب تحریک خلافت شروع ہوئی وہ ان فتووں سے بھی آگاہ ہونگے جو اس وقت علماء نے دیئے۔ اس تاریخ کے تحت ہجرت کی جو تحریک پنجاب اور سندھ میں ہوئی اگر وہ فی الواقعی کامیاب ہوجاتی تو پاکستان کبھی بھی نہ بن سکتا۔ کیونکہ سندھ میں اور بلکہ پنجاب میں بھی کہیں مسلم اکثریت باقی نہ رہتی۔ ان دونوں مواقع پر عوام کی قیادت مذہبی لیڈروں کے ہاتھ میں تھی یعنی سید احمد بریلوی

کے دور میں اور تحریک خلافت کے وقت میں۔ اس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم عوام قائد اعظم محمد علی جناح اور اقبال جیسے لیڈروں کی طرف متوجہ ہوئے جنکو مذہبی لیڈر مغربی طرز سے متاثر مسلمان کہتے تھے۔ ان لیڈروں کے خیال میں یہ دور بالکل مختلف تھا اور آج کے دور میں جدیدیت کو قبول کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ان لیڈروں نے یہ کیا کہ انہوں نے نئے نظریات کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کیں۔

1953ء میں اسلام کو سیاسی طور پر منفی انداز میں استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا

قوم پرستی کے نعرے کو اسلامی رنگ دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسلامی نیشنلزم، دو قوموں کا نظریہ، مسلمان قومیت کا نظریہ، اسلام کی جغرافیائی سرحدوں کا نظریہ۔ یہ تمام نئے نظریات تھے جن پر روایتی قدامت پسند مسلمانوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور انہیں قبول کرنے سے انکار کیا۔ ان مسائل پر ان کی سوچ محض روایتی تھی۔ دوسری طرف جدید سوچ کے حامل لوگ تھے۔ یہ لوگ اصلاح پسند تھے اور یہی وہ اصلاح پسند لوگ تھے جن کے ذریعہ پاکستان وجود میں آیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے، پاکستان کی ابتدائی تاریخ میں آپ غور کریں گے تو آپ کو اصلاح پسندوں کا عمل دخل نظر آئے گا لیکن اس کے بعد ایک ایسا دور آئے گا جس میں اسلام کو سیاسی طور پر منفی انداز میں استعمال کرنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ 1953ء کا دور ہے۔ میں کہوں گا کہ یہ سلسلہ 1992ء تک جاری ہے۔ سب سے پہلے یہ کام 1953ء میں ہوا۔ منیر کمیٹی کی رپورٹ موجود ہے۔ آپ اس سے استفادہ کر کے یہ بات معلوم کر سکتے ہیں۔

1953ء اور 74ء کی تحریک کا مقصد سیاسی تھا

جب مارشل لاء نافذ ہوا تو پنجاب کے بعض سیاستدانوں کا مقصد یہ تھا کہ جیسے بھی ہو سکے خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ پر حملے کر کے اسے تباہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے عام مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ لیکن اس وقت احمدیوں کو غیر مسلم قرار نہیں دیا گیا۔ اس ایجی ٹیشن میں کئی مسلمان ہلاک ہوئے ان مسلمانوں کی ہلاکت کے علاوہ اس ایجی ٹیشن کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت بالآخر ختم ہوئی۔ یہ تھا وہ مقصد جو انہوں نے حاصل کیا۔

دوسرے لفظوں میں انہوں نے سر ظفر اللہ خان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جو کہ اس وقت وزیر خارجہ اور وزیر قانون تھے۔ لیکن بعد ازاں سر ظفر اللہ پاکستان کی نمائندگی میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے رکن ہوئے اور اس کے بعد دوبارہ وہ پاکستان کے ٹکٹ پر ہیگ کی عالمی عدالت کے جج مقرر ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ ان سیاستدانوں نے عوام کے جذبات کو اس طرح بھڑکا کر آخر کیا حاصل کیا؟ یہ پہلا موقعہ تھا کہ جب بعض مذہبی لیڈروں کو خیال آیا کہ وہ اسلام کا استعمال منفی سیاسی مقاصد کے لئے بھی کر سکتے ہیں۔

دوبارہ جب یہی عمل دوہرایا گیا تو اس وقت مقصد مسٹر بھٹو سے نجات حاصل کرنا تھا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ مسٹر بھٹو یقینی طور پر سب کچھ جانتے تھے۔ تمام مذہبی جماعتیں نظام مصطفٰے کی تحریک پر متحد ہو گئیں حتیٰ کہ ایسی پارٹیاں بھی (مثلاً ولی خان کی پارٹی) جو خود کو سیکولر کہتی تھیں وہ بھی ساتھ مل گئیں انہوں نے بھی تحریک نظام مصطفٰے کا ساتھ دیا اور ان کے دباؤ پر مسٹر بھٹو کو اسلامی اصلاحات کرنی پڑیں۔

انہوں نے جمعہ کی چھٹی کی، انہوں نے شراب کے استعمال کو ممنوع قرار دیا، انہوں نے گھوڑدوڑ پر پابندی لگائی۔ حتیٰ کہ انہوں نے احمدیوں کو اقلیت قرار دلوایا یہ ایسی بات تھی جو قائداعظم نے بھی نہ کی تھی۔ مسٹر بھٹو نے یہ سارے اقدامات مذہبی لیڈروں کو خوش کرنے کیلئے کئے تاکہ وہ انہیں حکومت سے الگ نہ کریں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان مذہبی لیڈروں کو ان اصلاحات سے کوئی غرض نہ تھی حالانکہ وہ اسلامی تھیں۔ ان کا نشانہ بھٹو تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسٹر بھٹو سے نجات حاصل کر لی۔

اس کے بعد ضیاء کا دور آیا۔ اور اس دور میں ضیاء نے اسلامی اصلاحات پر توجہ نہیں کی کیونکہ اس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ ہر قیمت پر روایت پسندوں کو خوش کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہی لوگ اس کے حامی تھے یہی اس کا حلقہ انتخاب تھا۔ کیونکہ یہی روایتی اسلام تھا جو غاصب کو بھی شریعت کے قانون کے تحت جائز قرار دیتا تھا بشرطیکہ وہ اسلامی نظام پر عمل کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو مسجد جانے سے نہ روکتا ہو۔ وہ آپ کو روزے رکھنے سے نہ روکے اور وہ اسلامی قوانین اور ضابطوں پر عمل کرتا ہو۔ اور اگر اس کے باوجود ایک غاصب کو دوسرا غاصب نکال باہر کرے تو نیا غاصب بھی قابل قبول ہوگا۔

ہمارے ملک میں اگر ہم یہ کہتے ہیں کیا ہم قرارداد مقاصد کے ساتھ مخلص ہیں یعنی جس کی حیثیت کم و بیش اجماع امت یا قومی اتفاق رائے کی سی ہے۔ تو پھر کسی غاصب کو قبول کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر آپ نے امام غزالی یا امام ابو حنیفہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ آپ بدامنی یا بدنظمی کو اختیار کرنے کی بجائے ایک ظالم آمر کو قبول کر لیں۔ لیکن ان بزرگوں کا یہ نکتہ نظر نہیں ہے کہ جب آپ ایک ظالم آمر کو قبول کر لیتے ہیں تو دراصل آپ ایک قسم کی بدامنی یا بدنظمی کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ضیاء کا حلقہ انتخاب تھا قدرتی طور پر اس نے اس قسم کے اسلام کی حوصلہ افزائی کی جو روایت پرست تھا اور اصلاح و تجدد پسند نہیں تھا۔ اور اس عرصے میں اصلاح کا عمل مکمل جمود کا شکار رہا۔

اس دور کے بعد سے اسلامائزیشن کی اصطلاح کا استعمال شروع ہوا۔ آپ میں سے جو قانون کے طالب علم ہیں، بیرسٹر یا ایڈووکیٹ ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ضیاء نے نام نہاد اسلامائزیشن تین طرح سے کی۔ ایک عدالتوں کے قیام کے ذریعے، دوسرے یہ کہ بعض اہم قوانین میں تبدیلیاں کیں اور تیسرے یہ کہ قانونی ضوابط PROCEDURAL LAW میں

تبدیلیاں کیں- آپ ان تبدیلیوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں- مجھے ان کو دوہرانے کی ضرورت نہیں-..... اب ایک اور اصلاح کو لیجیئے- ایک قانون جو کہ قطعی طور پر سائنٹفک بنیادوں پر بنایا گیا تھا- یہ انگریزوں نے بنایا تھا- قانون یہ تھا کہ اگر ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کے نو ماہ اور دس دن کے گذرنے کے بعد بچہ پیدا ہو تو اسی سابق خاوند کو اس کا باپ سمجھا جائے گا لیکن اب اس عرصہ کو بڑھا کر دو سال کر دیا گیا ہے- (حاضرین کی طرف سے ہنسی کی آوازیں)

اس سے قبل قرون وسطی میں قوانین استثناؤں پر بنائے جاتے تھے نہ کہ عمومی اصولوں پر- اب سائنسی دریافتیں ہو چکی ہیں علم اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ اب آپ کو قوانین میں موجودہ سائنسی تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کرنی پڑیں گی-

بہر حال یہ تھیں وہ تبدیلیاں جو پاکستان میں قانون شہادت میں کی گئیں جس کی بنیاد روایت پسندی پر تھی اور اصلاح پر نہیں تھی-...... پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارا انسانی حقوق کا ریکارڈ بہت اچھا نہیں ہے- میں نہیں کہتا کہ دوسرے ملکوں کا انسانی حقوق کا ریکارڈ بہت شاندار ہے- ہر ملک کے اپنے مسائل ہیں اس لئے انسانی حقوق کا ریکارڈ بہت شاندار نہیں ہے- میں نے جینیوا کنونشنز میں پاکستان کی نمائندگی کی ہے خصوصاً انسانی حقوق کے مسائل پر- اور میں ہمیشہ سخت پریشانی کا شکار رہا ہوں-

میں جانتا ہوں کہ مسٹر بھٹو نے احمدیوں کو اقلیت قرار دے دیا تھا- ٹھیک ہے- اسے مان لیں- اسے چلنے دیں- لیکن اب جو یہ قانون بنا ہے کہ اگر کوئی احمدی بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے یا کوئی السلام علیکم کہے تو اسے گرفتار کر لیا جائے اور اسے سزا دی جائے- یہ مضحکہ خیز ہے-

میرا خیال ہے کہ آپ نے اخباروں میں ضرور پڑھا ہوگا کہ حال ہی میں احمدیوں میں سے ایک شخص نے اپنی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ بھیجا- یہ دعوت نامہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتا تھا اور پھر اس میں السلام علیکم بھی لکھا ہوا تھا- پولیس نے اسے گرفتار کر لیا کہ اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور السلام علیکم لکھ کر قانون کی خلاف ورزی کی ہے-...... آج کل تو ہمارے سکھ اور ہندو دوست یہاں آتے ہیں اور السلام علیکم کہہ کر بات کرتے ہیں- کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ان پر بھی مقدمہ کر دیا جائے اور انہیں جیل میں بھجوا دیا جائے کیونکہ انہوں نے اسلامی علامات استعمال کی ہیں؟

چنانچہ یہ ہے وہ اسلامائزیشن جس کا ہم سامنا کر رہے ہیں- اور اب ایک نئی مہم چلی ہے- صدر نے کہا کہ مستقبل میں تمام شناختی کارڈوں پر اسلام یا دیگر مذاہب کے ذکر کا خانہ بڑھا دیا جائے گا- اب یہ بھی اسلامائزیشن کا حصہ ہے-

یہ لوگ امتیازی قوانین بناتے چلے جا رہے ہیں- یہ بھی ایک مہم ہے کہ ذکری فرقہ کے لوگوں کو (میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں) جو کوئٹہ میں رہتے ہیں ان کو بھی اقلیت قرار دیا جائے- اب یہ عمل بڑھتا رہے گا- اگر آپ اہم قوانین میں اس طرح تبدیلیاں کرتے رہے اور اس قسم کے قوانین بناتے رہے تو صرف یہ نہیں ہوگا کہ عالمی برادری میں ہماری جگ ہنسائی ہوتی رہے گی بلکہ یہ چیز ہم میں سے ان لوگوں کے لئے بھی پریشانی کا موجب بنتی رہے گی جو پڑھے لکھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں-

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم کو اس طرح سے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ دوبارہ ہم یہی سوال کرتے ہیں کہ آپ کون ہوتے ہیں جرائم کے قانون بنانے والے اور ان کی سزائیں تجویز کرنے والے۔ عوامی بہبود کے قوانین ہوتے کیا ہیں؟ کیا آپ کو ان کا بھی پتہ ہے؟ ضیاء کے دور میں انہوں نے زکوٰۃ کا قانون پاس کیا اور ہم یہ جانتے ہیں کہ جب زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے، تو یہ سود میں سے کاٹی جاتی ہے جسے منافع کہتے ہیں۔ جو آپ کے سیونگ اکاؤنٹ کی بناء پر آپ کو ملتی ہوتی ہے۔ اس قسم کے منافع کو اب وفاقی شریعت کورٹ نے ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا یہ کسی کو معلوم نہیں۔ فکسڈ ڈپازٹ کے ساتھ کیا ہو گا اور اب اس میں سے زکوٰۃ کس طرح کاٹی جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ یہ رقم کہاں جاتی ہے کیونکہ ایسے الزامات موجود ہیں کہ زکوٰۃ فنڈز کو خورد برد کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے انجام ان قوانین کا جنہیں یہ نام نہاد عوامی بہبود کے قوانین کہتے ہیں۔

میں یقیناً کہوں گا کہ یہ ساری باتیں اسلام کا سیاسی استعمال ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ اس پر یقیناً ناراضگی کا اظہار کرے گا اور اپنا احتجاج بیان کرے گا۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم پہلے ہی یہ جانتے ہیں کہ اب اسلام ملک کو متحد رکھنے والی قوت نہیں رہا۔ ہم پہلے ہی دو حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اسلام اس وقت کہاں تھا جب بنگلہ دیش بنا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے دو قومی نظریہ کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے ہندوؤں سے کبھی ناطہ نہیں جوڑا۔ وہ مسلمان ہو ہی رہے ہیں لیکن وہ آپ کے ساتھ بھی نہیں رہے۔

اس کا مطلب ہے کہ قومی تقاضے، لسانی تقاضے، نسلی تقاضے، یہ تمام باتیں کسی نہ کسی طرح ان مذہبی عناصر پر غالب آگئیں جس نے ہمیں متحد کر رکھا تھا۔ مغربی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے؟ سندھ میں کیا ہو رہا ہے۔ ایم کیو ایم کیوں بنی؟ سندھی قومیت کے مقابلے پر ایک مہاجر قومیت بن گئی۔ بلوچستان میں بھی یہ مطالبہ ہے کہ پختون صوبہ بنایا جائے۔ پنجاب میں یہ مطالبہ ہے کہ سرائیکی صوبہ بنایا جائے۔ اب اسلام کس طرح ہمارے لئے متحد کرنے کی طاقت باقی رہ گیا؟

اسلام اسی صورت میں ہمارے اتحاد کا ذریعہ بن سکتا ہے جب ہم صحیح طور پر ایک فلاحی ریاست بنائیں ہم اپنی توانائیوں کو شناختی کارڈوں پر مذھب کے اندراج جیسے کاموں میں ضائع نہ کریں میرا مطلب یہ ہے کہ قومی مسائل سے نبٹنے کا یہ کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے وہ بیان کی ہیں جو ضیاء کی اسلامائزیشن کا نتیجہ تھیں۔ جس کے تحت اہم قوانین اور قانونی ضوابط کو تبدیل کیا گیا۔

اب ہم عدالتوں کی طرف آتے ہیں۔ وفاقی شریعت کورٹ جس کا قیام معمول کی سول عدالتوں یا پہلے سے قائم سول عدالتوں کے مقابلے پر عمل میں لایا گیا۔ اگر آپ آئین کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کے لئے کوئی معین کوالیفیکیشن مقرر نہیں ہے۔ ان کی تعداد سات یا آٹھ ہے۔ ان میں سے اکثر ہائی کورٹوں کے ریٹائرڈ جج صاحبان ہیں۔ ان کے علاوہ علماء ہیں۔ ان کا کوئی معیار مقرر نہیں۔ صرف صدر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ کوئی شخص شرعی عدالت کا جج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ شریعت کورٹ کے جج کی ریٹائرمنٹ کی کوئی عمر مقرر نہیں۔ وفاقی

شریعت کورٹ کا ایک جج ابتداء تین سال کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ لیکن صدر ان کے عہدے کی مدت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ گویا کہ دوسرے لفظوں میں اصل مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ عدالت صدر کی پسندیدگی کی شرط پر کام کرتی ہے۔

یہ بات بڑی دلچسپی کی ہے کہ یہ جانا جائے کہ ضیاء کتنا ذہین شخص تھا۔ میں اس کے لئے اسے خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اپنی ذاتی خواہش سے اس نے عدالت بنائی کیونکہ وہ کوئی خلاف مرضی فیصلہ نہیں چاہتا تھا۔ (حاضرین میں سے ہنسی کی آوازیں)

ضیاء کوئی اصلاح کرنے والا فیصلہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ روایت پسندوں کے نقطہ نظر کی حامل عدالت رہے۔ کیونکہ مذہبی روایت پسندی ہی اس کا حلقہ اثر تھا۔ وہ اپنے حلقۂ اثر کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ ان کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے دو چیف جسٹس صاحبان کو ان کے عہدوں سے موقوف کر دیا کیونکہ کم از کم ان دونوں نے اپنے فیصلوں میں روایت پسندی سے انحراف کر کے جدید سوچ کو شامل کیا تھا۔ ضیاء نہ یہ عدالت اپنے مقاصد کی بجاآوری کے لئے بنائی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ صورت حال اب گزر گئی ہے۔

اب اس عدالت نے ایسے فیصلے دیئے ہیں جو پارلیمنٹ اور موجودہ حکومت کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ ضیاء الحق صدر تھا اور یہ عدالت بھی موجود تھی۔ لیکن اب اس عدالت نے دو فیصلے ایسے دیئے ہیں جو حکومت کے خلاف ہیں۔

اصلاح کی ضرورت

ذاتی طور پر میں اس خیال کا حامی ہوں اگر ہم اصلاح کا طریق اختیار کرتے، اصلاح پسندوں کو آگے بڑھنے کا راستہ نہیں دیتے اور صرف روایت پسندوں کو ہی پھلنے پھولنے کا موقع دیتے ہیں تو یہ اس طرح سے آگے بڑھے گا کہ ملک میں افراتفری پھیل جائے گی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہم اس سے جان نہ چھڑالیں۔

اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا اصلاح کا نظریہ میدان میں آئے گا؟ یا ترکی کے سیکولرازم کی طرح کا ایک بالکل مختلف راستہ اختیار کیا جائے گا۔ اس صورت میں نتائج کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ یا تو آپ اس طرح کریں گے جس طرح ترکوں نے کیا یا ہم وہ تجربہ کر سکتے ہیں جو ہمارے ملک کے بانیوں نے سوچا تھا۔ یہ بانیان سرسید، جناح اور اقبال ہیں۔

ان لوگوں نے اصلاح پسندی کا نکتہ نظر سوچا تھا جو جدید سوچ کا بھی حامل ہے اور جمہوری بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عوامی بہبود کی سوچ بھی رکھتا ہے اور نئے خیالات کو بھی سمو سکتا ہے اور ان سب نظریات کا مقصد یہ ہے کہ اسلام ہمارے سیاسی نظام حکومت اور سوچ کا حصہ بنا رہے۔ ہمیں سیاسی نظام حکومت کے ایک حصے کے طور پر اسلام کو رد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک کامیاب جدید فلاحی ریاست ہو جو اقبال کی روحانی جمہوریت کے نظریہ یا ایسی ریاست کے نظریہ پر مبنی ہو جس کی بنیاد مساوات اتحاد اور آزادی پر ہو۔

مساوات اتحاد اور آزادی صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے جو ملک میں رہتا ہے۔ یہ بات اب میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!"

ارشاد امام جماعتِ احمدیہ:۔

دعوت الی اللہ

نہ خود بھولیں اور نہ دوسروں کو بھولنے دیں

حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"میری تو دن رات کی یہ تمنا ہے۔ دن رات دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ میں کیسے بھول سکتا ہو۔ اس لئے اللہ مجھے یاد کرواتا رہے گا اور میں یاد رکھوں گا اور آپ کو بھی یاد کرواتا رہوں گا۔ لیکن اگر آپ نے غفلت کی وجہ سے اس بات کو بھلا دیا تو یاد رکھیں کہ آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اسلئے نہ خود بھولیں اور نہ دوسروں کو بھولنے دیں۔ آج جماعت کی سب سے بڑی اور سب سے اہم ذمہ داری خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانا ہے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1987ء)

"وہ لوگ جو . . . . میں اس خیال سے (دعوت الی اللہ) چھوڑ چکے ہیں کہ اب (دعوت الی اللہ) بند ہو گئی ہے۔ بڑی سختی ہو رہی ہے۔ ہم (دعوت الی اللہ) نہیں کریں گے ان پر بھی (دعوت الی اللہ) کا الزام لگنا ہی لگنا ہے۔ . . . . اس لئے اگر دعوت الی اللہ نہ کر کے آپ قید کئے جائیں گے تو یہ تو گناہ بے لذت ہے۔ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس سزا پر آپ کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس لئے جب جانا ہی ہے تو دعوت الی اللہ کر کے قید میں جائیں تا کہ خدا کے پیار کا مورد بنیں"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20 فروری 1987ء)

دعوت الی اللہ کے گر

کچھ عرصہ ہوا گیمبیا میں ایک گونگا احمدی ہوگیا۔ وہ سن سکتا ہے نہ بات کر سکتا ہے مگر جدید ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ اس کو یہ ترکیب سوجھی کہ ایک دوسرے گاؤں اس کا ایک گونگا دوست ہے اور اس کو بھی لکھنا پڑھنا آتا ہے اس نے خط و کتابت کے ذریعے اپنے اس دوست کو دعوت الی اللہ شروع کر دی اور جلد ہی اس کو بھی احمدی کرلیا اور یہ دونوں مل کر دوسرے گونگوں کو دعوت الی اللہ کے لئے تلاش کر رہے ہیں۔ (ضمیمہ انصاراللہ ستمبر 87 صفحہ 6)

ایک مربی سلسلہ سیرالیون کے ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں کے پیراماؤنٹ چیف ان سے بہت ناراض ہوئے کہ میری اجازت کے بغیر تم کس طرح یہاں دعوت الی اللہ کر سکتے ہو۔ تم نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ اس لئے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تم یہاں دعوت الی اللہ کرسکو۔ چیف صاحب طاقتور اور صاحب اقتدار فرد تھے اس لئے مجبوراً ان حالات میں مربی صاحب خاموش ہوگئے مگر رات وہیں ٹھہرے۔

اتفاقاً اسی رات ایک ماہی گیر خاندان کی عورت تالاب میں ڈوب کر مر گئی۔ چنانچہ مربی صاحب افسوس کے لئے پیراماؤنٹ چیف کے پاس پہنچے اور کہا جو خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کرتے ہیں۔ اور جس طرح رواج ہے وفات اور اخراجات میں ہاتھ بٹانے کے لئے انہوں نے کچھ خدمت بھی کی۔ اس بات کا چیف نے بڑا اثر لیا اور کہا کہ ایسے نیک لوگوں کو دعوت الی اللہ سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہاں راستے کھول دیئے اور کئی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

گنی بساؤ کے کچھ داعیان الی اللہ نے جن کی تربیت بھی زیادہ نہیں ہوئی اور مسائل بھی زیادہ نہیں آتے اپنا یہ طریق بیان کیا ہے کہ

انہوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے ساتھ جو تصویر کھنچوائی تھی وہی ان کے دعوت الی اللہ کا ذریعہ بن گئی ہے۔ انہوں نے وہ تصویر اپنے گھروں میں لگائی ہوئی ہے۔ جب کوئی ملنے آتا ہے تو تصویر دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ اس طرح بات شروع ہوجاتی ہے اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ جھوٹوں والے منہ نہیں ہیں اور ان کو ہدایت نصیب ہونی شروع ہوجاتی ہے۔ (ضمیمہ ماہنامہ تحریک جدید اگست 88ء صفحہ 3، 4) (مرسلہ: مہتمم صاحب اصلاح وارشاد)

تاریخ کے اوراق

سرمد اور فتوئ قتل

(اصغر علی شاھین۔ مانسہرہ)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے دوران گفتگو ایک مرتبہ فرمایا سرمد نے کیا اچھا کہا ہے

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے یار می باید کرد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

حقیقت میں اس نے سچ کہا ہے۔ "بیمار اگر طبیب کی پوری اطاعت نہیں کرتا تو اس سے کیا فائدہ؟ ایک عارضہ نہیں تو دوسرا اس کو لگ جائے گا اور وہ اس طرح سے تباہ اور ہلاک ہو گا۔ دنیا میں اس قدر آفتوں سے انسان گھرا ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو تو پھر سخت خطرہ کی حالت ہے"۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 597 نیا ایڈیشن)

سترھویں صدی کے ایران میں جو قومیں آباد تھیں ان میں یہودی بھی شامل تھے۔ ان کی اکثریت کاشان میں آباد تھی۔ یہ تاجر لوگ تھے اور باوجود یہ کہ ان کے گرد اسلام کا چرچا ہوتا رہتا تھا یہ آنکھ اٹھا کر بھی اسلام کو نہ دیکھتے تھے مگر تابکے۔ آخر اسلام نے آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے پر ان میں سے بعض کو اپنی پاکیزہ تعلیم کا گرویدہ کر لیا۔ ان میں ایک نوجوان یہودی عالم بھی شامل تھا۔ اس کا یہودی نام کیا تھا کسی کو نہیں معلوم لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد اسلامی نام سعید رکھا گیا۔ سعید کو خدا نے بڑا اخلاق، ذہن اور گداز دل دیا تھا۔ شعری مذاق بھی کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اس نے مسلمان علماء اور شعراء کی صحبت میں بیٹھنا شروع کر دیا۔

سعید نے اپنا تخلص سرمد رکھا۔ خاندانی پیشہ تجارت تھا۔ خود بھی یہی اختیار کیا۔ خاندان کے دوسرے لوگ نفع و نقصان کی فکر میں رہتے مگر سرمد کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ حرص و ہوا بہت بری شے ہے۔ سرمد نے اپنی شاعری میں حرص و ہوا کی مذمت شروع کر دی۔ ان رباعیوں نے تہلکہ مچا دیا۔

کچھ عرصہ بعد 1632ء میں آپ تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے۔ پہلے ٹھٹھ اور دہلی میں قیام کیا اور پھر دہلی کی ہی مٹی کو اپنے خون سے سینچ کر آخری منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

دہلی میں ان کا شہرہ ہوا تو جاننے والوں کو اس پر سخت حیرت ہوئی کہ اتنا پڑھا لکھا شخص یوں مخبوط الحواس مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہ شاہجہاں کے آخری عہد کی باتیں

ہیں۔ جانشینی کے چر۔چے چاروں طرف گشت کر رہے تھے اور بادشاہ کے ولی عہد کی حیثیت سے دارا شکوہ کا نام لیا جارہا تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ ایک عالم فاضل اور صوفی منش نوجوان تھا۔ اس نے سرمد کا ذکر سنا تو ملنے کا اشتیاق ہوا اور ایک دن اجازت حاصل کر کے سرمد کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس نے سرمد کو ایک لنگوٹی میں دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ بولا حضرت! یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ میں نے آپ کی بابت سن رکھا ہے کہ آپ نہایت پڑھے لکھے انسان ہیں اور علم و فضل میں آپ کا کوئی جواب نہیں۔

سرمد نے جواب دیا اگر عالم فاضل ہوں تو تمہیں اس پر اعتراض ہے؟۔ شہزادے نے گھبرا کر عرض کی حضرت اعتراض کی بات نہیں مجھے تو اس پر اعتراض ہے کہ آپ اپنی وضع قطع اور لباس سے اس کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟۔ سرمد نے جواب دیا میں نے قناعت کو اپنا لیا اور حرص و طمع سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ میری ایک رباعی سن جو کل ہی موزوں ہوئی ہے۔

سرمد تو ہیچ خلق یاری مطلب
از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب

سرمد خلق سے یاری کی امید نہ رکھ کیونکہ جو شاخ برہنہ ہو وہ سایہ کیوں کر دے گی۔

عزت ز قناعت است و خواری از طمع
با عزت خویش باش خواری مطلب

قناعت اختیار کر کہ اس میں عزت ہے اور طمع خواری ہے۔ عزت کو بچا اپنے آپ کو خوار نہ کر۔

دارا شکوہ بہت متاثر ہوا۔ اس کے بعد دو اور رباعیاں سنیں۔ فرطِ عقیدت سے پیشانی کو چوما اور واپس چلا گیا۔

اورنگزیب کے آدمی دارا شکوہ کے پیچھے لگے ہوئے تھے کیونکہ اورنگزیب کو دارا شکوہ کی ولی عہدی گوارا نہ تھی اور اس نے اپنے باپ شاہجہاں اور اپنے بھائی دارا شکوہ کے آس پاس مخبروں کا جال سا پھیلا دیا تھا۔ سرمد اور دارا شکوہ کی ملاقات کا حال بڑی رنگ آمیزی سے اورنگزیب تک پہنچا دیا گیا۔ اورنگزیب نے ہدایت کی کہ اس معاملے پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان دونوں میں جو باتیں ہوں انہیں حرف بہ حرف لکھ کر مجھے روانہ کیا جائے۔ اسی دوران اقتدار کے لئے شہزادوں میں جنگ چھڑ گئی اور ہندوستان کا تخت و تاج اورنگزیب کے حصے میں آیا۔

تخت نشین ہونے کے بعد اورنگزیب نے ان لوگوں کی فہرست تیار کروائی جو دارا شکوہ کے ہمدرد یا اس کے ساتھ تھے۔ وہ ان سے نمٹنا چاہتا تھا۔ ان میں سرمد کا نام بھی شامل تھا۔ اورنگزیب نے سرمد کے قریب رہنے کے لئے چند آدمی متعین کر دیئے اور انہیں یہ ہدایت کر دی کہ وہ سرمد میں ایسی باتیں تلاش کریں جو قابل تعزیر ہوں۔

سرمد اپنے حال میں مگن دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ ایک دن کسی نے سرمد سے پوچھا سرمد معراج مصطفٰےؐ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ یعنی وہ روحانی تھا یا جسمانی؟ سرمد نے کہا اے شخص میں تیری نیت سے واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت میں جو کچھ کہوں گا وہ کبھی نہ کبھی میرے خلاف بطور شہادت استعمال ہوگا مگر سن میں کسی بات سے بھی نہیں ڈرتا۔ تو معراج کے بارے میں پوچھ رہا ہے میری

رباعی سن۔ میں نے اس میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔

ہر کس کہ سرّ حقیقتش پادرشد
او پہن ترا از سپہر پہناشد
ملاّ گوید کہ برفلک شد احمدؐ
سرمد گوید فلک بہ احمدؐ درشد

کہ جس کسی کے پاؤں حقیقت کے راز سے بندھ گئے اس کی وسعت یا جولانگاہ آسمانوں سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی۔ ملاؤں کا کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے لیکن سرمد کا قول یہ ہے خود آسمان رسولؐ کے قدموں میں آ گیا۔

اس رباعی سے ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ درباری علماء نے سرمد کو لائق گردن زنی قرار دیا۔ اورنگزیب نے قاضی القضاۃ ملاّں قوی کو حکم دیا کہ وہ سرمد کو ملیں، باتیں کریں اور سزا کے لئے جواز تلاش کریں۔ ملاّں قوی نہایت قیمتی لباس پہن کر سرمد کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا سرمد کیا تم مجھے جانتے ہو؟ سرمد نے جواب دیا ہاں پہچانتا ہوں تو میرے پاس اس لئے آرہا ہے کہ مجھ میں ایسی چیزیں تلاش کرے جس سے میں سزا کا مستحق قرار پاؤں۔ قوی نے کھسیا کر کہا ایسی کوئی بات نہیں میں اس ملک کا قاضی القضاۃ ہوں۔ میرا نام ملاّں قوی ہے۔ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ سرمد نے کہا پوچھ میں تیری ہر بات کا جواب دوں گا۔ قوی نے کہا میں جانتا ہوں تم عالم فاضل انسان ہو اس کے باوجود برہنہ پھرتے ہو۔ ایسا کیوں ہے؟ سرمد نے جواب دیا کیا کروں شیطان قوی ہے۔ قوی تلملا کر رہ گیا۔ سرمد نے کہا ملاّں میری رباعی بھی سن لے۔

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا
چشمے بدو جام بردہ از دست مرا

ایک سرو قد محبوب نے مجھے پستہ قد ٹھگنا بنا دیا۔ اس کی آنکھ کے دو پیالوں نے مجھے آپے سے باہر کر دیا۔

او در بغل من است و من در طلبش
دز زے عجیبے برہنہ کردہ است مرا

میرا محبوب میری بغل میں چور کی طرح چھپا بیٹھا ہے اور میں دیوانہ۔ وہ عجیب چور ہے کہ اس کی سراپا لوٹ کے ہاتھوں میں ننگا ہو چکا ہوں۔

ملاں کو غصہ تو بہت آیا مگر کچھ نہ کر سکا۔ پوچھا سرمد میں نے سنا ہے تم بھنگ پیتے ہو؟ سرمد نے جواب دیا ہاں پیتا ہوں پھر تجھے کیا اعتراض؟ ملاں نے کہا ہاں مجھ کو اعتراض ہے کیونکہ بھنگ حرام ہے۔ سرمد نے ملا کے ریشمی لباس کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا تو نے محض سنا ہے کہ میں بھنگ پیتا ہوں مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تو ریشم پہنتا ہے۔ حالانکہ بھنگ کی طرح ریشم بھی حرام ہے۔ ملاں قوی سٹپٹا گیا مگر آدمی ذہین تھا فوراً جواب دیا کہ اصل میں اس میں حلال سوت کی آمیزش کی گئی ہے جس سے یہ حرام شے حلال ہو گئی ہے۔ سرمد نے کہا تو پھر معترض کیوں ہو میں بھی بھنگ میں حلال پانی استعمال کرتا ہوں۔ قوی نے محسوس کر لیا کہ ان سے پیش پانا مشکل ہے۔ چپ چاپ واپس چلا آیا اور اورنگزیب کو اطلاع دی کہ سرمد کو برہنگی کے جرم میں سزا دی جا سکتی ہے۔

اورنگزیب نے کہا سزا کے لئے یہ عذر شرعی

ناکافی ہے کچھ اور ہونا چاہیئے- اسی دوران یہ خبر عام ہو گئی کہ سرمد مسلمان ہونے کے باوجود پورا کلمہ نہیں پڑھتا- صرف لاالہ پڑھ کر رہ جاتا ہے- اورنگزیب نے علماء عصر کی ایک جمیعت کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ سرمد سے ملے اور اس سے مناظرہ کرے- علماء تیار ہو گئے اور سرمد کے پاس پہنچ گئے- معراج، برہنگی وغیرہ کی باتوں میں وہ لاجواب ہو گئے تو وہ واپس اورنگزیب کے پاس آ گئے اور بتایا کہ اس کو زیر نہیں کیا جا سکتا- اورنگزیب نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ آدھا کلمہ پڑھتا ہے- یہ وجہ اس کے قتل کے لئے کافی ہے- تم جاؤ- چنانچہ علماء نے پھر جا کر گھیر لیا- سرمد ذرا کلمہ تو سنا دو- سرمد نے جواب دیا افسوس میں پورا کلمہ نہیں پڑھ سکتا- کسی عالم نے سوال کیا وہ کیوں؟ آخر کیوں؟ سرمد نے جواب دیا اس لئے کہ اس وقت میں حالت نفی میں ہوں- ابھی مقام اثبات نہیں آیا- دوسرے عالم نے کہا حالت نفی اور اثبات کی بات نہیں- کلمہ سناؤ- سرمد نے کہا میں بھی اپنی مجبوری بیان کر رہا ہوں- میرے ظاہر اور باطن میں کوئی فرق نہیں- اس لئے منافقت سے کام نہیں لے سکتا- چونکہ مقام نفی میں ہوں اس لئے اثباتی کلمہ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا-

پرجوش عالم نے دھمکی دی سرمد اگر تم پورا کلمہ نہیں پڑھو گے تو میں کفر کا فتویٰ دے کر دار پر چڑھوا دوں گا- سرمد نے مسکرا کر جواب دیا بھئی ابھی تو میں نفی کی لذتوں میں گم ہوں- اثبات کا مزا نہیں جانتا پھر میں پورا کلمہ کس طرح پڑھوں- کسی عالم نے اتمام حجت کے طور پر سوال کیا سرمد پورا کلمہ پڑھتے ہو یا نہیں- سرمد نے جواب دیا تم لوگ اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو- جس لئے آئے ہو اسے کر گزرو- میں اپنا کام کر چکا-

خرقہ پوشاں ہمہ گرمست گزشتند گزشت
قصہ ما مست کہ در کوچہ و بازار بماند

لباس فاخرہ پہن کر اینٹھتے ہوئے چلنے والے چلے جاتے ہیں ہم ننگ دھڑنگ لوگوں کے قصے کوچہ و بازار میں رہ جاتے ہیں جنہیں لوگ دہراتے رہتے ہیں-

علماء کا کام آسان ہو چکا تھا- انہوں نے بلا تامل قتل کا فتویٰ صادر کر دیا اور 1645ء میں جامع مسجد دہلی کے دروازے کے سامنے جلاد کی شمشیر کے ایک ہی وار سے سرمد کا سر تن سے جدا ہو گیا اور اس طرح کاشان کا رہنے والا نو مسلم سعید سرمد دیار غیر میں فتنوں بھری رات سے بیزار ابدی نیند سو گیا- اس کی آخری آرام گاہ جامع مسجد دہلی کے گرد و نواح میں ہے- سرمد کی شخصیت متنازع فیہ ہے- بعض کے نزدیک مرتد اور بعض کے نزدیک شہید عشق تھا- تمام تذکرہ نگار سرمد کے علم کے معترف ہیں- اس سے منسوب دو کتابیں ہیں-

1- واقعات سرمد- مطبوعہ شاہجہانی پریس 1926ء- جو 23 رقعات پر مشتمل ہے-

2- رباعیات سرمد- 333 رباعیات پر مشتمل ہے-

متبنّٰی ــــ بنانے کی قدیم اور پرانی رسم کا خاتمہ

(مکرم سیّد احمد علی شاہ صاحب۔ ربوہ)

اولاد کی خواہش انسانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر جاندار میں پائی جاتی ہے۔ مگر صرف انسان میں یہ بدرسم بھی ہے کہ اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو وہ کسی دوسرے کے بچے کو لے کر اپنا بیٹا یا بیٹی بنالیتا ہے جو اپنے بیٹے کی طرح قطعاً حقیقی خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کسی کا بچہ لے کر بیٹا بنانے کی رسم بہت قدیمی اور پرانی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

1۔ حضرت یوسف کو جب عزیز مصر اپنے گھر لے گیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا "امید ہے کہ یہ لڑکا ہمارے لئے نفع رساں ثابت ہوگا یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں گے"۔ (سورۃ یوسف) اس سے حضرت یوسف کو متبنّٰی بنانے کی رسم ظاہر ہے۔

2۔ حضرت موسیٰ کے ذکر میں بھی آتا ہے کہ فرعون مصر کی ایک بیٹی کے ہاں اولاد نہ تھی تو حضرت موسیٰ کو (بچپن میں) صندوق سے باہر نکالنے پر اس نے کہا "اس کو قتل نہ کرو ممکن ہے کہ ایک دن وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔ (القصص۔ ع1) گویا مصر میں حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بھی رسم متبنّٰی موجود تھی۔

3۔ حضرت موسیٰ کی کتاب "تورات" میں اسی واقعہ کا ذکر یوں آیا ہے "جب وہ لڑکا (موسیٰ) بڑھا۔ وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لائی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ رکھا اور کہا اس سبب سے کہ میں نے اسے پانی سے نکالا" (خروج باب 2 آیت 10)

4۔ انجیل میں یوں لکھا ہے کہ "فرعون کی بیٹی نے اسے (موسیٰ کو) اٹھا لیا اور اپنا بیٹا بنا کر کے پالا اور موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی"۔ (اعمال باب 7 آیت 21۔22)

5۔ عبرانی میں لکھا ہے کہ "موسیٰ نے بڑے ہو کر فرعون کی بیٹی کا بیٹا کہلانے سے انکار کیا"۔ (عبرانیوں باب 11۔ آیت 24)

6۔ ہندوؤں کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" میں پنڈت دیانند کے بیان سے بھی متبنّٰی بنانے کی پرانی رسم کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے۔ "اگر خاندان کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے کسی اپنے ذات والے کا لڑکا لے لیں گے تو اس سے خاندان چلے گا"۔ (ستیارتھ پرکاش باب 4 دفعہ نمبر 111)

7۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عرب میں بھی کسی کے بیٹے کو لے کر بیٹا بنانے یعنی متبنّٰی کی رسم

موجود تھی۔ بنا بریں آنحضورؐ نے حضرت زیدؓ کو ازراہِ شفقت اپنا بیٹا بنالیا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کر دی۔ پھر جب خانگی وجوہ سے حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے اس قدیم رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ سے شادی کا ارشاد فرمایا اور حضورؐ نے حضرت زینبؓ سے شادی کرلی۔ (سورۃ احزاب آیت38)۔ جس پر کفار نے اپنی پرانی رسم کی بنا پر اعتراض کیا کہ یہ عجیب نبی ہیں جو اپنی بہو سے شادی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ کلام نازل فرمایا "خدا نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ سب تمہاری اپنی زبانی باتیں ہیں"۔ (احزاب آیت5) اور پھر آیت نمبر41 میں فرمایا "محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہ تھے نہ ہیں اور نہ ہوں گے لیکن اللہ کے رسول ہی نہیں بلکہ سب انبیاء کے مصدق بھی ہیں"۔ تو شریعت کے احکام بتانا اور جائز و ناجائز کا پتہ دینا رسول کا کام ہے نہ کہ تمہارا۔ اور دیگر نبیوں نے بھی متبنیٰ کو جائز نہیں قرار دیا۔ اس لئے جب حضرت زیدؓ کے آنحضورؐ حقیقی باپ نہیں تو زینبؓ آپؐ کی بہو نہیں اس لئے حضورؐ کا شادی کرنا ناجائز کیسے ٹھہرا؟۔

اس طرح خدا تعالیٰ نے متبنیٰ یعنی کسی کے بیٹے کو بیٹا بنانے کی اس قدیمی اور پرانی رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ فرما دیا۔

8۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ ..... کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ "متبنیٰ بنانا حرام ہے"

کسی کا ذکر تھا کہ اس کی اولاد نہ تھی اور اس نے ایک شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنی جائیداد کا وارث کرلیا۔ فرمایا "یہ فعل شرعاً حرام ہے۔ دوسرے کے بیٹے کو بیٹا بنانا قطعاً حرام ہے"۔ (ملفوظات جلد9 صفحہ 43۔ 1907ء)

غزل

اک عجیب سا خمار طاری ہے
ان کی آنکھوں کا فیض جاری ہے

ایک آدم جو اُتر آیا ہے
کیوں شیطانوں پہ خوف طاری ہے

اس کے حصے میں ہے متاعِ سکوں
میرا مقسوم بے قراری ہے

پہلے مہر و وفا بھی ہوتی تھی
اب تو سب کچھ دکانداری ہے

برق وہ میٹھی بات کیا کرتا
اُس کے گاؤں کا پانی کھاری ہے

(صفدر حسین برق۔ وباڑی)

خریداران سے درخواست ہے کہ اپنے پتہ کی تبدیلی کی اطلاع فوری طور پر دیا کریں۔ تاکہ آپ کا پرچہ ضائع نہ ہو۔ (مینیجر)

سائنس کارنر

پاسکل ___ کیلکولیٹر کا موجد

(طاہر محمود۔ بہاولنگر)

پاسکل 19 جون 1623ء کو پیدا ہوا۔ اس کا پورا نام "بلیز پاسکل" تھا۔ وہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان تھا۔ اس نے صرف انتالیس برس اس دنیا میں گزارے۔ لیکن اس مختصر عرصے میں بھی کئی سائنسی کارنامے سرانجام دیئے۔

اس نے دنیا کی پہلی مشین بنائی جو حساب کرسکے۔ یہی مشین ترقی کرکے "کمپیوٹر" اور "کیلکولیٹر" بنی۔ اس نے ناقابل تقسیم اعداد سے متعلق کیولری کے طریقے کو ترقی دی۔ جدید ریاضی احصایا کیلکلس کے ارتقا میں یہ ایک اہم کڑی ہے۔ اس نے مخروطی ٹکڑوں کی یاضی یا میتھمیٹکس آف کونک سیکشن پر ایک اہم کتاب لکھی۔

پاسکل 1623ء میں فرانس کے ایک قصبے "کلر مونت" میں پیدا ہوا۔ تعلیم و تربیت کے سارے فرائض اس کے والد نے ادا کئے جو ایک مجسٹریٹ تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی پاسکل کی عمر تین سال کی ہی تھی کہ اس کی والدہ وفات پاگئیں۔ پاسکل نے بذاتِ خود 1662ء میں وفات پائی۔ 1623ء سے 1662ء تک صرف انتالیس برس میں اس نے طبیعات داں، ریاضی داں، موجد، ادیب، فلسفی، اخلاق پسند اور عیسائی راہب کی حیثیت سے مختلف اور بھرپور کردار ادا کئے۔

پاسکل کے والد اتینی پاسکل بذات خود ایک ایسے شخص تھے جن میں ریاضیاتی قابلیت، معاشرتی عزت اور معقول مالی حیثیت کے اوصاف موجود تھے۔ وہ مقامی طور پر مجسٹریٹ تھے لیکن 1630ء میں اس وجہ سے یہ عہدہ چھوڑ دیا کہ اپنے تین بچوں گلبرٹ پاسکل، بلیز پاسکل اور جیکولین پاسکل کو تعلیم دے سکیں۔ یہ بچے 1626ء میں والدہ کی وفات کے بعد تعلیم و تربیت کے لئے مکمل طور پر ان کی ذمہ داری بن گئے تھے۔

بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کے خیال سے اتینی پاسکل نے کلرمونت کے مجسٹریٹ کا عہدہ چھوڑ دیا اور پیرس چلے گئے۔ پیرس کی سائنسی فضا میں بلیز پاسکل کی ذہانت نے تیزی سے ترقی کی۔ چنانچہ بعض حوالوں سے کہا جاتا ہے کہ لڑکپن میں ہی پاسکل نے جیومیٹری کے کئی اصول اپنی محنت سے دریافت کئے۔ اس نے اسی دوران کئی "بچگانہ تحقیقات" بھی کیں۔ مخروطی ٹکڑوں

کی ریاضی پر جب اس نے کتاب لکھی تو اس کی عمر صرف سترہ برس تھی۔ اس کتاب میں ایسے انکشافات کئے گئے کہ کئی پرانے ریاضی داں حیران رہ گئے۔ فرانس کے نامور ریاضی داں ڈیکارٹ نے جو پاسکل سے ستائیس برس بڑا تھا اس بات پر اتنا تعجب کیا کہ یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے خیال میں ایک نوجوان طالب علم کے قلم سے ریاضی کا اتنا شاندار مقالہ نہیں لکھا جاسکتا تھا۔

1639ء میں اتینی پاسکل نے نارمنڈی کے علاقے میں رہائش اختیار کرلی اور وہاں سرکاری حسابات کی پڑتال پر مامور ہوگیا۔ اسی دوران 1644ء میں بلیز پاسکل نے دنیا کی پہلی مشین ایجاد کی جو حساب کرسکے۔ بعد میں اس خیال کو صدیوں تک ترقی دینے کے بعد ہمارے زمانے کے کمپیوٹر اور کیلکولیٹر بنے۔ سرکاری حسابات کی پڑتال کے دوران جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے لمبے عمل کرنے پڑتے تھے۔ بلیز پاسکل نے اپنے والد کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے ایک حسابی مشین بنانے کا فیصلہ کیا۔ دو سال کے اندر اندر یہ مشین بن گئی۔ مشین کا "انتساب" وزیر خزانہ کے نام کیا گیا۔ اس مشین کی مدد سے حسابی عمل میں آسانی پیدا ہوگئی۔ بلیز پاسکل کی شہرت دور دراز تک پہنچ گئی اور اعلیٰ علمی حلقوں نے ایک نوجوان سائنس دان اور دانش ور کو خوش آمدید کہا۔

حسابی مشین کی ایجاد اور شہرت سے بلیز پاسکل کی سائنسی زندگی کا سنہرا دور شروع ہوگیا۔ اس کی سائنسی سرگرمیوں کا سب سے متحرک دور یہی رہا تاہم اس نے سائنسی کاموں کے ساتھ ساتھ عام زندگی میں بھی دل چسپی برقرار رکھی۔ اس دور میں اسے اپنے دور کے بڑے سائنسدانوں کے کارناموں اور مشکلات کا علم ہوا۔ اس نے گلیلو کی کتاب "طبیعات" کا مطالعہ کیا تو خود بھی میکانیات کی طرف راغب ہوگیا۔ جلد ہی اس کو تاری سیلی کے تجربہ کا علم ہوا جس کے ذریعے فضائی دباؤ ماپنے کا آلہ "بیرومیٹر" بنایا گیا۔ پاسکل نے اس تحقیقی کام کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اس دور میں پاسکل نے مائعات کے توازن اور فضائی دباؤ پر کام کیا۔ وقت سے صدیوں آگے سوچتے ہوئے اس نے مشہور شماریاتی سائنس "امکانیات" (PROBABLITY) پر بھی غور کیا۔

تار سیلی (1608ء تا 1647ء) نے 1643ء میں ایک اہم تجربہ کیا۔ اس تجربے کی بنیاد یہ تھی کہ ارسطو کے خیال میں خلا کوئی چیز نہیں۔ تار سیلی نے اپنے تجربے سے ارسطو کے اس خیال کو غلط قرار دے دیا۔ اس نے شیشے کی ایک نلی میں خلا کو ممکن بنا دیا۔ اس نے شیشے کی ایک نلی کو جس کا طول تقریباً ایک سو سینٹی میٹر تھا پارے سے لبالب بھر کے پارے ہی سے بھرے پیالے میں الٹا دیا۔ پارہ نیچے گرنے لگا لیکن 76 سینٹی میٹر اونچائی باقی رہ گئی۔ نلی میں کوئی ہوا نہ تھی۔ اس لئے ثابت ہوگیا کہ جتنی جگہ سے پارہ گرا ہے وہاں اب کچھ نہیں رہا یعنی خلا ہے۔

تاری سیلی کے اس تجربے سے ایک نیا خیال یہ سامنے آیا کہ زمین کی سطح سے بلندی کے ساتھ ساتھ ہوا

کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ پاسکل نے اس کی تجرباتی تصدیق کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کی مدد سے ایک ہزار میٹر اونچے پہاڑ پر جا کر ایک تجربہ کیا۔ اتنی بلندی پر جب تارسیلی کا تجربہ دہرایا گیا تو بیرومیٹر کی نلی میں پارے کی بلندی کئی سینٹی میٹر کم ہو گئی۔ پس ثابت ہو گیا کہ سطح زمین سے بلندی بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔

پاسکل نے یہ کامیابی 1648ء میں حاصل کی۔ اس وقت وہ صرف 25 برس کا تھا۔ اس نے بار بار تجربات کر کے اپنے اس یقین کو پختہ کر لیا اور ہر بار جو نتیجہ سامنے آیا اس سے بلندی اور دباؤ کے اس تعلق کی تصدیق ہوئی۔

مائعات کے سلسلے میں پاسکل نے جو کام کیا اس کی مختصر اور جامع شکل وہ قانون ہے جو پاسکل کا قانون کہلاتا ہے۔ اس قانون کا سادہ بیان یہ ہے کہ "مائعات اپنا دباؤ تمام اطراف میں مساوی منتقل کرتے ہیں"۔ اس قانون کی عملی تعبیر کے طور پر اس نے ایک ہائیڈرالک پریس بھی بنایا تھا جسے بعد میں جوزف براما نے ترقی دی۔ یہ آلہ اب "براما پریس" کہلاتا ہے۔ اس کی مدد سے روئی اور کپڑے کو دبا کر پیک کیا جاتا ہے۔ روغن دار بیجوں سے تیل نکالنے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

1652ء سے 1654ء تک کا زمانہ پاسکل نے پیرس کی سیر میں گزارا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت زیادہ کام کی وجہ سے اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ اسی دوران اس نے بہت سے دوست بنائے اور اس شہرت اور ناموری سے فائدہ اٹھایا جو سائنسی کارناموں نے بخشی تھی۔

اس دور کے بعد اس کا رجحان رہبانیت کی طرف ہوتا چلا گیا۔ اس نے عام لوگوں سے ملنے جلنے میں بہت کمی کر دی۔ خوراک بھی بہت کم کھانے لگا اور راتوں کو ریاضت میں صرف کرنے لگا۔ ان وجوہات کے باعث اس کی صحت تیزی سے گرتی چلی گئی۔ 1662ء میں اس کے معدہ میں رسولی پیدا ہو گئی جو رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ 19 اگست 1662ء کو پاسکل اس دنیا فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی پیدائش اور وفات کی تاریخ ایک ہی تھی۔

(بشکریہ "سائنس ویکلی" کراچی۔ مرسلہ طاہر محمود۔ بہاولنگر)

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

بقیہ از ص 6

○ آپ انہیں کسی فارغ وقت میں یعنی چھٹی کے دن اپنے گھر لے آئیں اور انہیں سلسلہ کے بزرگوں خصوصاً حضرت مسیح موعود.... اور آپ کے خلفاء کی تصاویر دکھائیں۔

○ الغرض آپ ان کے سامنے ایک سچے احمدی کا نمونہ پیدا کر کے دکھائیں۔ جس سے خدا تعالیٰ بھی خوش ہو گا اور ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی آپ سے خوش ہوں گے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

غزل

ہم کسی کا جذبۂ نا مہرباں دیکھا کئے
مسکرا کے ہم کو کتنے مہرباں دیکھا کئے

دلدلیں نفرت کی ساری عمر ہم پاٹا کئے
دلدلیں اور دلدلیں تھیں جاوداں دیکھا کئے

آنکھ اٹھا کر ہم نے بھی دیکھا تھا ان کو ایک بار
پھر جہاں وہ دیکھتے تھے ہم وہاں دیکھا کئے

فرق ہم کیسے کریں محسوس کچھ ہوتا نہیں
دوستوں اور دشمنوں کے درمیاں دیکھا کئے

ایک ضبط و صبر کا دامن تھا آخر چھُٹ گیا
روز آتی اک بلائے ناگہاں دیکھا کئے

کیسی مٹّی سے بنی ہے کس طرح جیتی ہے یہ
دور جا کر مجھ کو میرے رازداں دیکھا کئے

بات سنتے ہی نہ تھے میری بہت مصروف تھے
اُن کے ہاتھوں میں میری داستاں دیکھا کئے

آسمانوں سے اترتی آ رہی تھیں رحمتیں
دامنِ دل وا کئے ہم آسماں دیکھا کئے

آج عظمت تیری باتوں میں ہے اک سوزِ دروں
ہم زباں دیکھا کئے معجز بیاں دیکھا کئے

(ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ)

گنز، گنیز یا گِنس

(پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب)

("خالد" جون 1992ء) میں "دنیا کے اخبار" کے عنوان سے بک آف ریکارڈز میں سے دلچسپ اور معلوماتی باتیں شائع ہوئی ہیں جنہیں قارئین خالد نے بڑے شوق سے پڑھا ہوگا۔ لیکن اب جو بات میں عرض کرنے لگا ہوں وہ ہر گز کسی تنقیدی نکتہ نظر سے نہیں بلکہ محض خلوص نیت سے اور قارئین خالد خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کے فائدہ اور علم کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے نوجوانوں کو دوسرے مفید اور تعمیری میدانوں کی طرح علمی اور معلوماتی میدان میں بھی ممتاز و منفرد ثابت ہونا چاہیئے۔ گزارش ہے کہ متذکرہ مضمون (صفحہ 7) جس کتاب سے اخذ کیا گیا ہے شروع میں اس کا نام "گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ" اور مضمون کے دوران دو دفعہ گنیز بک" پڑھا اور بتایا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے نام کا انگریزی تلفظ گنز یا گنیز یا گیز نہیں بلکہ گِنس بک ہے۔ پورا نام یوں ہے۔

THE GUINNESS BOOK OF RECORDS

تفصیل اس بات کی یہ ہے کہ اول اول ایسے عالمی ریکارڈ جمع کرنے کا خیال ان دو اشخاص نے ذہن میں آیا جو بیئر (BEER) تیار کرنے والی ایک فیکٹری کے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے۔ اس فیکٹری کا نام تھا GUINNESS BREWERY (یعنی گِنس بروری)۔ اب یہ کتاب دنیا میں سب سے زیادہ بکنے والی کتب میں شامل ہے اور اس کے متعدد زبانوں میں تراجم کئے جاتے ہیں۔ اس کے دو مشہور ایڈیٹرز راس (ROSS) اور نارس (NORRIS) ہیں جو جڑواں بھائی ہیں۔ ان دونوں بھائیوں نے بطور شغل عالمی ریکارڈز جمع کرنے کا کام اس وقت شروع کیا تھا جب ان کی عمر فقط دس برس کی تھی۔

گِنس بک کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ کھیلوں کے ریکارڈ پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بچوں اور نوجوانوں کے لئے نہایت دلچسپ اور مفید ہے کیونکہ وہ اس کی مدد سے بڑوں کو "امتحان" میں ڈال سکتے ہیں۔

تحریک "وقف اولاد" میں شامل بچوں کے والدین کے لئے ضروری اعلان

احباب جماعت میں سے ایسے والدین جن کے بچے خدمت دین کے لئے وقف اولاد کے تحت وقف ہیں اور ان بچوں نے اس سال میٹرک کا امتحان دیا ہے یاد دے رہے ہیں وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ کو اطلاع دیں تاکہ ان کے وقف اور آئندہ کے پروگرام کے بارہ میں ان بچوں سے براہ راست بھی خط و کتابت کی جاسکے۔ اس بارہ میں وکالت دیوان کی سابقہ چٹھی کے نمبر اور تاریخ کا حوالہ ضرور دیں۔

وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ

جستہ جستہ

جہاں نما

اسپرین اور سرطان۔ عراقی فوج کے مظالم اور امریکہ کا جھوٹ

امریکہ میں قتل کی بڑھتی ہوئی وارداتیں

سرطان کے علاج میں اسپرین کی افادیت

بیسویں صدی کی ابتداء سے اسپرین بخار اور جسمانی درد کو کم کرنے میں بہت کارآمد خیال کی جاتی تھی لیکن گزشتہ دس سال میں دو اور دوائیں "ٹالی نال اناسین 3" اور "ایبوپروفین" کے بازار میں آجانے کے بعد سے اسپرین کو مذکورہ دونوں دواؤں کا مقابلہ کرنا پڑگیا۔ ڈاکٹروں نے اسپرین کے بعض ذیلی اثرات خصوصاً بچوں کے لئے دیکھتے ہوئے اسپرین کے مقابلے میں مذکورہ بالا دواؤں کو ترجیح دینا شروع کردیا۔

لیکن گزشتہ چند برسوں میں بعض دوسرے امراض کے علاج میں اسپرین کی افادیت کا علم ہوا ہے۔ یہ افادیت مذکورہ دونوں دواؤں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اسپرین امراض قلب سے حفاظت کا ذریعہ پائی گئی ہے۔ وسط دسمبر 1991ء میں یہ معلوم ہوا ہے کہ اسپرین کے مستقل استعمال سے قولنج کے سرطان سے موت ہونے کی حفاظت ہوتی ہے۔

NEW ENGLAND JOURNAL OF MEDICINE

میں شائع ہونے والے امریکن کینسر سوسائٹی کے تحقیقی مقالے میں بتایا گیا ہے کہ اسپرین کی سولہ حبوب ماہانہ کھانے سے لوگوں کو قولنج کے کینسر سے موت کا خطرہ پچاس فی صد کم ہو جاتا ہے لیکن اسپرین کی اس مرض میں افادیت پر مزید تجربے جاری ہیں۔

مضمون میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسپرین صرف کینسر ہی کے لئے مفید نہیں خیال کی جا رہی بلکہ بعض دوسرے امراض میں بھی اس کی افادیت کی توقع کی جا رہی ہے۔ مسوڑھوں کے امراض، پتے کی پتھری، موتیا بند، اسقاط حمل یہاں تک (VIURAL) امراض میں بھی اسپرین سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ (ٹائم انٹرنیشنل 16 دسمبر 1991ء)

نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار کیطرف سے عراقی فوج کے مظالم کی تردید

امریکہ کے مشہور روزنامہ نیویارک ٹائمز میں میک آرتھر نامی ایک شخص کا مضمون شائع ہوا ہے۔ اس

مضمون میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ گمنام نوجوان کویتی لڑکی جس کے اس بیان پر کہ کویت شہر کے ایک ہسپتال میں عراق کی حملہ آور فوج نے قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں کو پالنے کی مشین (INCUBATOR) سے زبردستی نکالا تھا اور اس کے اس بیان پر عراقی فوج کے خلاف دنیا بھر میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ لڑکی امریکہ میں کویت کے سفیر کی بیٹی تھی۔

مضمون نگار جو کہ اپنا ہارپر نامی میگزین شائع کرتا ہے اس نے نیویارک ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے مضمون میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ امریکی کانگریس کی کمیٹی کے سامنے بیان دینے والی پندرہ سالہ لڑکی کا بیان صحیح تھا کہ نہیں اور یہ کہ کیا اس لڑکی کا نام کانگریس کی کمیٹی سے مصلحتاً خفیہ رکھا گیا تھا تاکہ اس کے بیان کو زیادہ اہمیت دی جائے۔

اس لڑکی کے نام کا پہلا حصہ "نیرہ" بتایا گیا تھا اور اس نے امریکی کانگریس کی حقوقِ انسانی کی کمیٹی کے خفیہ اجلاس کے سامنے 10 اکتوبر کو رو رو کر بیان دیا تھا۔ اس لڑکی کی کہانی نے امریکہ کی رائے عامہ کو عراق کے خلاف فوجی کاروائی کرنے کے لئے جھنجھوڑ دیا تھا۔

میک آرتھر کا بیان ہے کہ وہ لڑکی امریکہ میں کویتی سفیر ناصر الصباح کی بیٹی تھی۔ لڑکی نے یہ بیان دیا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پندرہ بچوں کو کویت شہر کے الادم ہسپتال میں (INCUBATOR) سے زبردستی نکال کر فرش پر مرنے کے لئے ڈال دیا گیا۔ لڑکی کے اس بیان نے امریکی کانگریس میں ہونے والی اس بحث کا رخ کویت پر عراق کے حملے کے سلسلہ میں امریکہ کا کیا ردعمل ہو غلط انداز میں موڑ دیا۔

میک آرتھر کا کہنا ہے کہ خلیج کی جنگ کے بعد مذکورہ ہسپتال کے ڈاکٹروں نے لڑکی کے بیان کی تردید کر دی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے گو عراقی فوجیوں نے بہت بدذاتی کی لیکن بچوں کو INCUBATOR سے نکال کر نہ تو پھینکا گیا اور نہ INCUBATOR کو عراق بھیجا گیا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے حقوقِ انسانی کے گروپ نے بھی کویت کے ہسپتال میں چند سو بچوں کو INCUBATOR سے نکال کر مارنے کی تردید کر دی ہے۔ میک آرتھر کہتا ہے کہ واشنگٹن کی تعلقات عامہ کی ایک تجارتی فرم HILL AND KNOWLTON نے امریکی کانگریس کی کمیٹی کے سامنے کویتی سفیر کی بیٹی کے بیان دینے کا انتظام کیا تھا۔

کیلی فورنیا کے ڈیماکریٹک پارٹی کے نمائندہ TOM LANTOS اور ILLINOIS کے ری پبلکن کے JOHN EDWARD POTER کمیٹی کے سربراہ ہیں۔

HILL AND KNOWLTON کی تجارتی فرم جو کویتی حکومت کی وکالت کرتی ہے اس کی طرف سے اس بیان پر رائے دینے کے لئے ان کا کوئی نمائندہ موجود نہ تھا۔ اسی طرح کویت کے سفارت خانے کا بھی کوئی نمائندہ اس بیان پر رائے زنی کے لئے نہ مل سکا۔

ڈیماکریٹک پارٹی کے MR TOM LANTOS نے خبر رساں ایجنسی رائٹر کو ٹیلی فون پر بتایا کہ وہ لڑکی کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کمیٹی کے

سامنے لڑکی کے بیان کی سماعت میں کوئی ساز باز نہیں کی گئی تھی اور سماعت کے نتیجہ میں صحیح تاثر لیا گیا تھا- (ڈان 10 جون 1992ء)

امریکہ میں قتل کی بڑھتی ہوئی وارداتیں

امریکہ کی سینٹ کے ممبروں کے بیان کے مطابق گزشتہ سال امریکہ میں چوبیس ہزار قتل کی وارداتیں ہوئیں- ان کا کہنا ہے کہ یہ تعداد پچھلے تمام سالوں میں سب سے زیادہ ہے- سینٹ کی ڈیماکریٹک پارٹی کی جوڈیشری کمیٹی کی رپورٹ میں اس کی تین وجوہ بیان کی گئی ہیں- اول منشیات کا کثرت سے استعمال، دوسرے آتشیں اسلحہ کی عام دستیابی اور تیسرے امریکی نوجوانوں کی تخریب پسند گروہوں میں بڑھتی ہوئی شمولیت-

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پولیس کی اطلاعات کے مطابق 1991ء میں 24,020 قتل کی وارداتیں ہوئیں جب کہ ایک سال قبل یہ تعداد 23,438 تھی- 1991ء میں امریکہ میں قتل ہونے والوں کی یہ تعداد اسی سال کینیڈا، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور جاپان میں قتل ہونے والوں کی مجموعی تعداد سے اڑھائی گنا زیادہ تھی-

سینٹر جوزف بیڈن نے مطالبہ کیا ہے کہ کچھ عرصہ قبل دہشت گردی کے خلاف جو بل سینٹ میں مسلسل بحث کی وجہ سے التوا میں پڑ گیا تھا اس کو فوراً منظور کر کے قانون کی شکل دی جائے- اس بل میں تجویز ہے کہ آتشیں اسلحہ پر پابندی لگائی جائے اور منشیات کے استعمال کے خلاف ایک بڑی مہم شروع کی جائے- (ڈان 8 جنوری 1992ء بشکریہ المصلح کراچی)

رُڈیارڈ کپلنگ عظیم شاعر کیسے بنا

انگریزی زبان کا عظیم شاعر رُڈیارڈ کپلنگ بر عظیم ہندو پاکستان کے شہر بمبئی میں 30 دسمبر 1865ء کو پیدا ہوا تھا- اس کے والد بمبئی کے مشہور جے جے سکول آف آرٹس بمبئی کے پرنسپل تھے- کپلنگ کا بچپن اس وقت کی فوج میں استعمال ہونے والے ہاتھیوں کے درمیان گزرا تھا- اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس نے وہ بے شمار گیت جو فیل بانوں کی بیویاں اپنے بچوں کو بہلانے کے لئے گایا کرتی تھیں زبانی یاد کر لئے تھے- کپلنگ ویسے بھی انگریز بچوں سے کچھ مختلف تھا اور وہ بر عظیم ہندو پاکستان اور اس کے باشندوں کو پسند کرتا تھا-

جوان ہو کر اس نے اس وقت کے لاہور کے مشہور اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بطور صحافی کام کرنا شروع کر دیا- اس اخبار کا ایڈیٹر اس کے کام سے کچھ خوش نہیں تھا- اس ایڈیٹر کو بھلا کیا معلوم تھا کہ کپلنگ ایک روز ادب کی حیثیت سے بہت مشہور ہو جائے گا-

ایک دن ایڈیٹر نے تیس روپیہ اس کے ہاتھ میں

تھا کر اس کی نوکری یہ کہہ کر ختم کر دی "تمہاری صحافتی تحریروں کا یہ پہلا اور آخری معاوضہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم کسی اور کام کے ذریعہ روزی کماؤ"۔

کپلنگ ہار ماننے کا عادی نہ تھا۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے اس کو اپنی ذات پر بھروسہ تھا۔ وہ ادیب اور شاعر بننے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ وہ انگریزی زبان کا ایک مشہور شاعر بن گیا۔ اس نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جس کا نام کم (KIM) رکھا اور بعد میں ایک اور کتاب لکھی جس کا نام جنگل بک نمبر 1 اور نمبر 2 رکھا۔ (JUNGLE BOOK NO III) رکھا۔

آپ کے اور میرے جیسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اس نے انگریزی زبان میں ایک نظم لکھی جس کا عنوان "IF" یعنی اگر رکھا۔ اس نظم نے اس کو ہمیشہ کے لئے مشہور کر دیا۔ بہت سے مشہور لوگوں کا کہنا ہے کہ کپلنگ کی اس مشہور نظم نے ان کو بڑا آدمی بننے کے لئے محنت کرنے پر آمادہ کیا۔ کپلنگ کی اس مشہور نظم کا اردو ترجمہ نیچے درج ہے۔

نظم کا ترجمہ

○ اگر آپ کو اس وقت بھی غصہ نہیں آتا جب کہ آپ کے ساتھی غصہ میں ہوں اور آپ کو الزا[م د]ے رہے ہوں۔

○ اگر لوگ آپ پر شک کریں اور اس وقت بھی آپ ان کے شک کا لحاظ کرنے کے ساتھ اپنی خود اعتمادی کو قائم رکھیں۔

○ اگر آپ صبر سے کام لینے میں تھک نہیں جاتے ہیں اور جب آپ کے خلاف جھوٹ بولا جاتا ہے پھر بھی آپ جھوٹ سے کام نہیں لیتے۔ یا جب لوگ آپ کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن آپ اس کے جواب میں ان سے نفرت نہیں کرتے۔ اور ایسی صورت حال میں آپ اپنے آپ کو بڑا ظاہر نہیں کرتے اور نہ اپنے آپ کو عقل مند ظاہر کرتے ہیں۔

○ اگر آپ اچھے خواب دیکھنے کے باوجود خوابوں کی دنیا میں کھو نہیں جاتے ہیں۔

○ اگر آپ کامیابی اور ناکامی دونوں حالتوں میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

○ اگر آپ کے سچے اقوال کو دھوکے باز لوگ توڑ مروڑ کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ یا جن چیزوں کو آپ نے جان ماری کر کے بنایا ہے ان کو توڑ کر لوگ ناکارہ اوزاروں سے بناتے ہیں۔

○ اگر آپ اپنی جیتی ہوئی تمام بازیوں کا انبار لگا کر ایک ہی داؤ پر ہار جاتے ہیں اور پھر نئی بازی لگا دیتے ہیں اور دکھ کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔

○ اگر آپ اپنے دل و دماغ اور بازوؤں کی قوت ختم ہونے کے بعد بھی اس وقت تک مقابلے پر ڈٹے رہتے ہیں جب کہ آپ میں کچھ باقی نہیں رہا ہے سوائے آپ کی ہمت کے جو آپ کو ڈٹے رہنے کا دلاسا دیتی رہتی ہے۔

○ اگر آپ ادنی لوگوں میں رہتے ہوئے بھی اپنے اعلیٰ اخلاق پر قائم رہتے ہیں یا بادشاہوں کے ساتھ چلتے ہوئے

بقیہ 39

ننھّا راہبر

مرا مطلوب و مقصود و تمنّا خدمتِ خلق است

رکشا والے کے (اپنے مسافر سے معاوضہ کی کمی و بیشی) پر بحث کے ناخوشگوار رنگ پکڑ جانے نے نیلہ گنبد کی مسجد کے سامنے ٹریفک کو جام کر کے رکھ دیا تھا اور اس علاقے کے فٹ پاتھوں پر بے مقصد پھرنے والوں نے دور سے کوئی حادثہ برپا ہوتا سمجھ کر نیوز کی پہلی بھنک اچکنے کے لئے خوامخواہ جائے حادثہ کی جانب لپکنا شروع کر دیا تھا۔ میں نماز عصر ادا کر کے آ رہا تھا۔ "آئل پمپ" کے پاس بھلے پکوڑیاں والے کی ریڑھی کے گرد ایک فیملی پکوڑے اور چاٹ اڑا رہی تھی کہ ادھر ریڑھی والے نے فیملی کے سب سے چھوٹے رکن کی طرف پلیٹ بڑھائی اور وہ پلیٹ سے بے نیازانہ پہلو تہی کر کے گاڑیوں، رکشوں اور تانگوں سے بچتا بچاتا دوسری جانب کے پلاٹ والے فٹ پاتھ کی طرف بھاگ پڑا۔

کھلتے ہوئے گندمی رنگ کا سات آٹھ سالہ بچہ۔ پاؤں میں بوٹ، سفید جرابیں، ملیشیے کے رنگ کی نکر، سفید قمیص، صاف کھلے ہوئے نقوش، سنہری گھونگھریالے بال اور بلوری آنکھیں۔ اس کے اس اچانک پلٹا کھا کر دوڑنے کی وجہ نہ سمجھتے ہوئے فوراً اس کی ماں نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ "ارے جادُو! ارے بے بی کدھر؟ دیکھو پلیٹ لو نہ آ کر۔ دیکھو گاڑیوں سے بچ کر"۔ اور پھر میں نے دو ہی منٹوں میں دیکھا کہ بے بی نے بھاگ کر ایک اندھے کی لاٹھی پکڑ لی جو کسی تانگے سے ٹکرایا ہی چاہتا تھا اور اسے ایک ماہر راہبر کی طرح گاڑیوں سے بچ بچا کر یوں لانے لگا جیسے کیچڑ اور دلدل سے اٹے ہوئے راستوں کے بیچوں بیچ کسی سوکھی ہوئی پگڈنڈی پر سے کوئی ماہر کوچوان گھوڑے کی باگ پکڑے اسے کھینچے لا رہا ہو۔

یہاں تک کہ دونوں دوسری فٹ پاتھ پر پہنچ گئے اور اندھا بوڑھا اپنے معصوم راہبر کو بھتی بے نور آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرنے کے ساتھ پھڑکتے ہوئے ہونٹوں سے دعائیں دیتا ہوا آگے کی سمت روانہ ہو گیا اور ننھے راہبر نے واپس اپنے مقام پر آتے ہی ہاتھ جھاڑنے اور انہیں پونچھنے کے بعد کچھ اس بے تکلفی سے ریڑھی والے سے چمچہ لے کر اپنے حصہ کی چاٹ نوش جان کرنی شروع کر دی جیسے اس قسم کی خدمت خلق اس کا روز کا معمول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دکھیا اور معذور مخلوق سے ہمدردی اور اس کی دستگیری اس کی فطرتِ ثانیہ ہے اور جیسے اس نے یہ بھی ایسا ہی معمول کا کوئی کام انجام دیا ہے۔ جیسا کہ قمیص پہننا یا اپنے بوٹ پالش کرنا۔ میں نے دیکھا کہ یہ نظارہ دیکھنے کے بعد اس کی ماں کی نگاہوں میں بھی تحسین و آفرین کے آنسو تھے اور پھر میں نہ جانے کب تک وہیں کھڑا قوم کے اس نوخیز رہبر اور دکھیاروں کے اس پیدائشی ہمدرد کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں یہ دعا مانگتا رہا

"یا الٰہ العالمین! یہ درد میری قوم کے ہر فرد کے دل کو بخش دے، یہ نور وطن عزیز کے ہر شہری کی آنکھ کو عطا کر دے۔ آمین"۔ (بشکریہ ہفت روزہ "لاہور" 20 جون 1992ء)

(مرسلہ:۔ اے۔ ایچ۔ آسی لاہور)

Where are you going?

"جب سینٹ پیٹر نے یسوع مسیح کو عالم تصور میں دیکھا تو پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟۔ آج کل پاکستانی ماحول میں یہ شعور بلند ہو رہا ہے۔ صاحب ادراک لوگ تو دوسروں سے یہ سوال کرنے کی بجائے خود سے سوال کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں"۔

ہماری منزل کیا ہے؟ ہمارے پیش نظر کون سے مقاصد ہیں؟ ہماری زندگی کن اصولوں کے تحت بسر ہو رہی ہے؟ ہمیں کیا ہونا چاہیئے تھا ہم کیا ہیں؟ اور خوش آئند بات یہ ہے کہ قومی ضمیر اس صدا پر بیدار ہوتا ہوا محسوس بھی ہو رہا ہے۔ لیکن خدا کی یہ عطا کردہ زمین اور پاکستانی شہری غیر یقینی کے سمندر کی جانب اس تیزی سے بڑھ رہے ہیں کہ ان صداؤں اور احساسات کو الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل ہو چکا ہے۔ ہم ایک ایسی کشتی کے سوار ہیں جنہیں نہ تو اپنی سمت کی خبر ہے اور نہ اپنی منزل کا پتا ہے۔

پاکستان کی زمین ایسا جہاز بن چکی ہے جس کا کوئی ناخدا ہے، نہ پتوار جو اسے آفاق پر اٹھنے والے طوفان میں سے سلامتی کے ساتھ نکال کر لے جائے۔ یہ جہاز "ایس ٹی کالرج" کے بوڑھے ملاح کے جہاز کی طرح آسیب زدہ ہے اور اس کا ہر سوار آسیب سے خوفزدہ دہشت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

کسی بھی چیز کی سمت درست نہیں ہے۔ قوم جمہوریت اور خودکار نظام کے مابین لٹک رہی ہے۔ آئین کے بعد آئین وضع ہو رہے ہیں اور توڑے جا رہے ہیں۔ نسلی لسانی، قومی اور مذہبی تعصبات نے قومی وحدت کی روح کو نگل لیا ہے .... بدقسمتی سے ہماری سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں نے بنیاد پرست عناصر کو اسلام کے نام پر یکے بعد دیگرے بلیک میل کرنے کی اجازت دی ہے۔ حکومتیں ملاؤں اور مذہبی جنونیوں کے سامنے پسپا ہوتی رہی ہیں۔ موجودہ نظام کو اسلامی ڈھانچوں میں ڈھالنے کے لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں نے حالات کو بہتر نہیں بنایا بلکہ بنیادی مسائل کو مزید الجھا کر انہیں مزید محدود کر دیا ہے۔

.........علامہ اقبال نے ایک مرتبہ کہا تھا "اسلام کا نجات دہندہ وہ ہوگا جو اجتہاد کے ذریعے اسلام کی ترجمانی کرے گا"۔ میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ پاکستان کا نجات دہندہ وہ شخص ہوگا جو جرات کرے گا۔ جو تنگ نظر

ملاؤں کے سامنے جھکنے سے انکار کی جرات کرے گا اور ان قوتوں کے سامنے ڈٹ جائے گا جو کہ اسلام کا نام استعمال کر رہے ہیں۔ ان تمام سوالوں کا حقیقی جواب یہ ہے کہ ہمیں وہ مطمع نظر اور نصب العین یاد رکھنا چاہیئے جو حصول آزادی کے وقت ہمارے پیش نظر تھا۔ قائد اعظم کے پاکستان کی طرف واپسی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے۔ اس بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح نے 1946ء میں نئی دلی میں "رائٹرز" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ "نئی سلطنت ایک جدید جمہوری ریاست ہوگی جس کا اقتدار اعلیٰ عوام کے ہاتھوں میں ہوگا اور نئی قوم کے افراد بلا امتیاز و تخصیص نسل، رنگ اور قومیت کے برابر کے حقوق شہریت پائیں گے"۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے آئین ساز اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے ایک طویل مگر متناسب تقریر 11، اگست 1947ء کو کی اور کہا "اگر آپ پاکستان کی ریاست کو خوش حال اور شادمان بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پوری طرح لوگوں کی بھلائی پر توجہ دینا ہوگی اور خاص طور پر عوام الناس اور غریب لوگوں پر۔ اگر آپ ماضی کو فراموش کرتے ہوئے باہمی تعاون کے ساتھ کام کریں گے۔ تمام اختلافات کو بھلا کر دشمنوں کو ختم کردیں گے تو کامیابی آپ کے مقدر میں ہوگی۔ اگر آپ اپنا ماضی بدل دیں اور اکٹھے ایک ایسے جذبے کے ساتھ کام کریں کہ آپ میں سے ہر کوئی خواہ وہ کسی بھی طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہو چاہے اس کا ماضی میں آپ کے ساتھ کیسا ہی تعلق کیوں نہ ہو۔ خواہ اس کا رنگ، نسل مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو مساوی حقوق کے ساتھ سلطنت کا شہری ہوگا۔ تمام مساوی حقوق و فرائض اور فوائد کے ساتھ شہریت کا حقدار ہوگا تو پھر آپ کی ترقی لامتناہی ہوگی"۔

قائد اعظم کے شہریوں کی مساوات اور نظام حکومت کے بارے میں واضح خیالات تھے۔ انہوں نے کہا "تم آزاد ہو۔ تم اپنے مندروں میں جانے کے لئے آزاد ہو۔ تم اپنی مساجد یا اپنے دوسرے معبد خانوں میں جانے کے لئے پاکستان کی سلطنت میں آزاد ہو۔ تمہارا کسی بھی مذہب، ذات یا فرقے سے تعلق ہو سکتا ہے جس کا سلطنت کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم ان ایام میں ابتدا کر رہے ہیں جب گروہوں اور فرقوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ کوئی تفریق نہیں۔ ایک قوم یا فرقے کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ شروعات کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری اور مساوی شہری ہیں"۔

انہوں نے مزید کہا "اب میرا خیال ہے کہ ہمارے سامنے یہ آئیڈیل ہوگا تو آپ پائیں گے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا نہ مسلمان مسلمان رہے گا۔ مذہبی روح کے مطابق نہیں کیونکہ یہ ہر ایک کا ذاتی عقیدہ ہے نہ کہ سیاسی"۔ بدقسمتی سے اس اہم تقریر کو دانستہ نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ قائد اعظم اس بارے میں بھی بالکل پر یقین تھے کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست نہیں ہوگی۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا "پاکستان کا آئین ابھی قانون ساز اسمبلی نے وضع کرنا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے وضع کی شکل کیا ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ ایک جمہوری طرز کا آئین ہوگا جس میں اسلام کے ضروری قوانین شامل

ہوں گے جو آج بھی اسی طرح حقیقی زندگی میں قابل عمل ہیں۔ جس طرح کہ وہ آج سے تیرہ سو سال قبل تھے۔ اسلام اور اس کے آئیڈیل ازم نے ہمیں جمہوریت کا درس دیا ہے۔ اس نے شخصی مساوات، انصاف اور ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کا درس دیا ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں۔ آئندہ کے لئے آئین وضع کرنے والوں کے لئے ذمہ داری کا ادراک بہت ضروری ہے۔

پاکستان کسی بھی صورت میں ایک مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس پر ملا حکمران ہوں ہم میں سے بہت سے غیر مسلم ہیں جن میں ہندو، عیسائی اور پارسی شامل ہیں لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ وہ ان حقوق اور فوائد سے بہرمند ہوں گے جیسے کہ ہر کوئی دوسرا شہری ملکی معاملات میں کردار ادا کرے گا"۔

ان موضوعات پر لیاقت علی خان کا ذہن بھی بہت واضح تھا۔ انہوں نے کہا کہ "لوگوں میں طاقت کی منتقلی میں مذہبی حکومت کے قیام کے خطرے کو ختم کر دیا ہے۔ بہت سے لوگ جو ایک ہی سانس میں مذہبی حکومت کا لفظ استعمال کرتے اور جسے پاکستان کے لئے اصول سمجھتے ہیں یا تو وہ بڑے ہی شریرانہ پروپیگنڈہ میں ملوث ہیں یا پھر اس کو سنجیدہ طور پر غلط معنی پہنا رہے ہیں۔ قائد اعظم جو کچھ چاہتے تھے وہ واضح طور پر جمہوری حکومت تھی۔ یہ ایک مذہبی ریاست نہیں تھی صرف ایک پاکستانی قوم تھی جس میں رنگ، نسل، مذہب اور ذات کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ مذہب ہر کسی کا ذاتی معاملہ ہے اور اس کا ریاست کے نظم و نسق سے کوئی واسطہ نہیں"۔

جب ہمارے سامنے واضح مقصد ہے تو ہم اپنی پیش رفت کیوں ملتوی کریں۔ اس ضمن میں ہمیں مزید ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قائد اعظم کے پاکستان کی طرف پلٹنا ہے۔ اسی میں ہماری نجات پوشیدہ ہے اور اسی میں ہماری فلاح مضمر ہے۔ یہی ہماری سلامتی، بقا اور استحکام کا راستہ ہے۔ (بشکریہ ہفت روزہ "مہارت")

بقیہ از ص..... 34

بھی اپنے اعلیٰ اخلاق پر قائم رہتے ہیں یا بادشاہوں کے ساتھ چلتے ہوئے بھی ادنیٰ لوگوں سے الگ نہیں ہو جاتے ہیں۔

○ اگر نہ تو بے وقوف لوگ اور نہ پیارے دوست آپ کو دکھ دے سکتے ہیں۔

○ اگر آپ کو سب لوگوں کا بغیر ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے خیال رکھنا آتا ہے۔

○ اگر آپ اپنے وقت کے ہر منٹ کو قیمتی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں تو ساری زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ آپ ہی کا ہے۔

○ اور سب سے بڑھ کر اے میرے بیٹے! آپ انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔

1907ء میں ادب کا نوبل انعام بھی ان کو دیا گیا۔
(بشکریہ "المصلح" کراچی)

تعارفی مضمون

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

مضمون نگار:۔ فرخ احمد کامران ۔ لاہور

پاکستان میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا قیام 1974ء میں عمل میں آیا جس کا مقصد لوگوں کو گھر بیٹھے تعلیم کے مواقع فراہم کرنا ہے۔ اس کا دائرہ کار پورے پاکستان سمیت مشرق وسطیٰ کے منتخب ممالک پر محیط ہے۔

اہم نکات

1) کورس میں داخلہ کے بعد درسی مواد طالب علم کے گھر پر پہنچتا ہے اور کورس کی تکمیل گھر بیٹھے ہوتی ہے۔
2) اس وفاقی یونیورسٹی کے تمام سرٹیفکیٹ اور ڈگریاں ملک کی دیگر یونیورسٹیوں کی طرح منظور شدہ ہیں۔
3) یونیورسٹی کے مطالعاتی مراکز میں یونیورسٹی کے مقرر کردہ جزوقتی ٹیوٹر مخصوص دنوں میں مقررہ اوقات (عام طور پر عصر کے وقت) پر طلباء کی رہنمائی کرتے ہیں۔ طلباء کی ممکنہ مشکلات کے پیش نظران مراکز میں حاضری لازمی نہیں۔
5) داخلہ کی تاریخ کے اعلان کے بعد داخلہ فارم بمعہ ضروری معلومات کے یونیورسٹی کے علاقائی دفاتر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔
6) داخلہ کے لئے اعلان بذریعہ اخبارات کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اشتہارات میں ان کورسوں کے نام بھی درج ہوتے ہیں جن میں اس سمسٹر میں داخلہ ہو سکتا ہے۔
7) داخلہ فارم پر کر کے آخری تاریخ سے پہلے دستی یا بذریعہ رجسٹری **"شعبہ داخلہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ سیکٹر H-8 اسلام آباد"** میں جمع کروانا چاہئے۔
8) ایف اے اور بی اے میں داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ امیدوار نے انگریزی کے ساتھ بالترتیب میٹرک اور انٹرمیڈیٹ میں کامیابی حاصل کی ہو۔
9) انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے لئے آٹھ مکمل کورسوں کی تکمیل ضروری ہے۔ دو نصف کورس ایک مکمل کورس کے برابر ہوتے ہیں۔
10) ایک سمسٹر (ششماہی) میں زیادہ سے زیادہ دو مکمل کورس یا چار نصف کورسوں میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
11) انٹرمیڈیٹ اور بیچولر کے مختلف تعلیمی پروگراموں میں داخلہ ہر ایک کو مل سکتا ہے جبکہ ایم اے لیول کے مختلف تعلیمی پوگراموں اور ایم فل میں داخلہ محدود نشستوں پر میرٹ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

یونیورسٹی کے تعلیمی پروگرام

یونیورسٹی کے مختلف تعلیمی پروگراموں کی مختصر تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

1- **انٹرمیڈیٹ سرٹیفکیٹ:-** اس کے لئے چار سمسٹرز پاس کرنا ضروری ہیں۔ داخلہ کے لئے میٹرک انگریزی کے ساتھ پاس ہونا ضروری ہے۔ کورس کے دوران لئے جانے والے لازمی اور اختیاری مضامین کی فہرست داخلہ فارم کے ساتھ کتابچہ میں درج ہوتی ہے۔

1- **بیچولر ڈگری:-** اس کے لئے انٹرمیڈیٹ انگریزی کے ساتھ پاس ہونا ضروری ہے کورس کی تکمیل کے لئے چار سمسٹرز پاس

کرنا ہوتے ہیں۔ بیچولر ڈگری کے تحت یونیورسٹی مندرجہ ذیل تعلیمی پروگرام پیش کرتی ہے۔

الف) بی اے عمومی گروپ :- مضامین کی فہرست داخلہ فارم کے ساتھ کتابچہ میں درج ہوتی ہے۔

ب) ابلاغ عامہ گروپ :- جو مضامین (لازمی اور اختیاری) لئے جا سکتے ہیں ان کی فہرست داخلہ فارم کے ساتھ کتابچہ میں درج ہوتی ہے۔

ت) بزنس ایڈمنسٹریشن گروپ (BBA) :- ایسے امیدوار جو مختلف کمپنیوں میں "سیلز" کی ملازمت کر رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی ڈگری نہیں ہے وہ اس کورس سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آج کل بزنس کمپنیوں میں اس ڈگری کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔

ٹ) بی کام گروپ :- ایسے امیدوار جو مختلف کمپنیوں میں بطور اکاؤنٹنٹ کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس بی کام کی ڈگری نہیں ہے وہ ملازمت میں رہتے ہوئے اپنی فیلڈ سے متعلقہ ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔

ج) لائبریری اینڈ انفریشن سائنسز گروپ :- ایسے امیدوار جو لائبریرین کی فیلڈ میں جانا چاہتے ہوں وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

3- ایم اے ڈگری کے تعلیمی پروگرام :- ایم اے لیول کے پروگراموں میں داخلہ سال میں ایک بار مئی / جون میں کیا جاتا ہے اور داخلہ میرٹ کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ یونیورسٹی مندرجہ ذیل پروگرام ایم اے لیول پر پیش کرتی ہے۔

الف) ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ مینجمنٹ :- اس کورس میں داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ امیدوار نے بیچولر ڈگری حاصل کی ہو اور ایجوکیشن یا اس سے متعلقہ فیلڈ میں فل ٹائم ملازمت کرتا ہو۔ یہ پروگرام ان امیدواروں کے لئے بہت بہتر ہے جو سکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں یا مختلف تدریسی اداروں میں ملازمت کرتے ہیں۔

ب) ایم بی اے :- یہ پروگرام ایسے امیدواروں کے لئے مفید ہے جو بزنس کمپنیوں میں ملازمت کر رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی مناسب یا پوسٹ گریجویٹ ڈگری بزنس سے متعلقہ نہیں ہے۔ ایم بی اے میں داخلہ کے لئے امیدوار کا بیچولر آف آرٹس یا سائنس کا ہونا ضروری ہے نیز اس نے سیکنڈ ڈویژن ضرور حاصل کی ہو اور مندرجہ ذیل مضامین میں سے کم از کم ایک مضمون بیچولر لیول پر ضرور پڑھا ہو۔ (1) ریاضی (2) اقتصادیات (3) شماریات (4) نفسیات (5) بزنس ایڈمنسٹریشن۔ مزید برآں ایسے امیدوار جنہوں نے بیچولر ڈگری انجینئرنگ یا کامرس میں حاصل کی ہو وہ بھی اس کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ اسی طرح ایم اے اور ایم ایس سی کے طلباء مندرجہ بالا مضامین کے ساتھ اس کورس میں داخلہ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ کورس کی مدت تین سال ہے۔

پ) ایم ایس سی پاکستان سٹڈیز :- ایسے امیدوار جنہوں نے بیچولر کی ڈگری لی ہو اور مندرجہ ذیل مضامین میں سے کم از کم ایک مضمون بیچولر لیول پر پڑھا ہو وہ اس کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ (1) سوشیالوجی (2) اقتصادیات (3) پولیٹیکل سائنس (4) تاریخ (5) جغرافیہ (6) نفسیات

ت) ڈپلومہ برائے انگریزی (تدریس انگریزی بطور غیر ملکی زبان)

اس کورس میں داخلہ نومبر / دسمبر میں ہوتا ہے۔ ایم اے، ایم ایڈ، بی اے، بی ایس سی اور بے ایڈ کے پاس شدہ امیدوار (تدریسی تجربہ اور بغیر تدریسی تجربہ) داخلہ لے سکتے ہیں۔

4) ایم فل پروگرام :- ایم فل کی سطح پر فی الحال درج ذیل چار پروگرام پیش کئے جا رہے ہیں۔ (1) اردو (2) اسلامیات (3) اقبالیات (4) تعلیم (ایجوکیشن) داخلہ سال میں ایک بار ماہ مئی جون میں کیا جاتا ہے تفصیلات کے لئے ان پروگراموں سے متلق کتابچہ ان ہی مہینوں میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

5) تربیت اساتذہ :- (1) پی ٹی سی (2) سی ٹی (3) بی ایڈ

یہ پروگرام غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ان کا داخلہ سال میں ایک بار ماہ نومبر / دسمبر میں

کیا جاتا ہے۔ داخلے کی شرائط فیس۔ طریقہ تعلیم اور امتحانی طریقہ کار کے لئے الگ الگ تعلیمی پروگرام داخلہ کے ایام میں حاصل کیا جا سکتا ہے تاہم پی ٹی سی کے لئے کم از کم میٹرک II ڈویژن سی ٹی کے لئے کم از کم ایف اے II ڈویژن اور دونوں کے لئے ایک ایک سالہ تدریسی تجربہ کی ضرورت ہے جبکہ بی ایڈ کے لئے بی اے میں کم از کم سیکنڈ ڈویژن پاس ہونا ضروری ہے تینوں کلاسز میں داخلہ میرٹ پر ہوتا ہے۔

6) **ٹیکنیکل کورسز:-** (1) الیکٹریکل وائرنگ (2) الیکٹریشن (3) گھریلو برقی آلات کی دیکھ بھال اور مرمت (4) بنیادی برقیات (5) آٹو سروسنگ۔

ان کورسز میں داخلہ لینے والے طلباء کے لئے مطالعاتی مراکز میں حاضری لازمی ہے لہٰذا صرف ایسے طلبا داخلہ لیں جو مقررہ مراکز میں آ سکتے ہوں۔ ٹیکنیکل کورسز عام طور پر جمعہ کے دن صبح کے وقت ہوتے ہیں۔ مطالعہ کی مدت تین ماہ ہے ہر کورس انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لئے نصف کورس کے برابر ہے اور داخلہ کے لئے میٹرک ہونا لازمی ہے۔

7) **زرعی عملی کورسز:-** (1) بہار سمسٹر: گھریلو پیمانے پر سبزیوں کی کاشت (موسم گرما) مرغبانی' ٹریکٹر کی دیکھ بھال اور مرمت۔ داخلہ نومبر اور دسمبر میں ہوتا ہے۔ (2) خزاں سمسٹر: گھریلو پیمانے پر سبزیوں کی کاشت (موسم گرما) زمین کے مسائل اور ان کا حل' پودوں کی حفاظت داخلہ مئی جون میں ہوتا ہے۔ فارم داخلہ مفت حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

8) **سرٹیفکیٹ ان لائبریرین شپ:-** سرٹیفکیٹ کی تکمیل کے لئے دو مکمل کورسوں میں کامیابی لازمی ہے مدت مطالعہ چھ ماہ ہے۔ مختلف لائبریریوں میں ملازمت پیشہ خواتین و حضرات کے علاوہ عام طلبہ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا ضروری ہے۔

نوٹ:- مزید معلومات اور داخلہ فارم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے علاقائی دفتر' 346 رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور (فون نمبر: 431205) سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

بشکریہ حبیب الرحمان صاحب زیروی

صبح کی سیر

(وسیم احمد صاحب - بھاٹی گیٹ لاہور)

بہار کی ایک صبح میں نے پارک کا رخ کیا جو کہ تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ میں اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر کئے پیدل جا رہا تھا کہ ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے میری سانسوں کو معطر کر دیا کہ میں اپنی اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا کہوں گا کہ خون میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا اور جسم میں حقیقی طور پر زندگی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔

میں تقریباً 25 منٹ میں پارک میں پہنچ گیا تھا۔ یہ پارک پورے پاکستان میں اپنی مثال آپ ہے کیونکہ اس کا احاطہ چالیس کلومیٹر ہے اور اس پارک میں نایاب قسم کے پودے اور پھول ہیں جو کہ پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جونہی میں پارک کے اندر داخل ہوا تو میں پارک کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا اور میری زبان سے بے اختیار خدا تعالیٰ کی حمد بیان ہونے لگی۔

پارک کے بڑے گیٹ کے دائیں طرف ایک بہت بڑی پھولوں کی کیاری تھی جس میں بہت سے غیر ملکی پھول تھے۔ میں پانچ منٹ کے لئے پھولوں کے درمیان بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا جس سے پھولوں کی خوشبو میری سانسوں میں رچ بس گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سانس ایک دم کھل گیا ہے۔ اس کے علاوہ میری آنکھیں بھی ایک قسم کا سرور محسوس کر رہی تھیں۔

جتنی دیر تک میں کیاری کے قریب بیٹھا رہا مجھے مزے مزے کی خوشبو آ رہی تھی۔ کیاری کے قریب ہی پارک کا ایک بہت بڑا حصہ تھا جس میں خوبصورت سرسبز گھاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے پاؤں سے جوتا اتار کر گھاس پر چلنا شروع کر دیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے پاؤں کے نیچے زرم زرم ریشم بچھا دیا گیا ہے۔ میں تقریباً دس منٹ ننگے پاؤں گھاس پر چلا۔ گھاس پر شبنم کے قطروں سے ایک عجیب قسم کا لطف آنے لگا تھا۔

نرم نرم گھاس سے ہوتا ہوا میں آبشار کے قریب سے گزرا جس میں سے پانی کی پھوار منہ پر پڑ رہی تھی جس سے چہرے پر نئی تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ آبشار اپنی مثال آپ تھی۔

آبشار کے قریب ہی ایک بہت بڑا پیپل کا درخت پارک میں سایہ کئے ہوئے تھا۔ میں پانچ منٹ کے لئے اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور ساتھ ہی دعا کر رہا تھا کہ اے

اے میرے پیارے اللہ جس طرح یہ درخت اس پارک میں اتنا وسیع سایہ کئے ہوئے ہے اس طرح تو اس پیاری جماعت پر بھی اپنی رحمتوں کا سایہ کردے۔

میں پارک میں بیٹھا درخت کے نیچے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا کہ مجھے ایک دم ناز بو کے پودے کے خوشبو آنے لگی۔ میں ذرا آگے بڑھا تو قریب ہی ایک کیاری ناز بو کے پودے کی تھی۔ جوں ہی میں قریب ہوا تو خوشبو مزید تیز ہوگئی۔ رفتہ رفتہ یہ خوشبو میری سانسوں میں رچ بس گئی۔ میں تھوڑی دیر یہاں ٹھہر گیا اور قدرت کے عطا کردہ ان خوبصورت پودوں سے لطف اندوز ہوتا گیا۔

ان مناظر کو دیکھنے کے بعد میں نے سوچا کہ اب مجھے اپنے جسم کو بھی حرکت دینی چاہیئے۔ میں وہیں سے رننگ ٹریک پر بھاگا اور پورا ٹریک مکمل کیا جو کہ تین کلومیٹر کا تھا۔ اس سے میرے جسم میں خون نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا اور میرے جسم نے ہلکی سی جھرجھری لی جس سے جسم گرم ہوگیا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ورزش شروع کر دی جو کہ میں نے پندرہ منٹ کی۔ اس دوران مجھے پسینہ آگیا اور میرے بند مسام کھل گئے اور میں اپنے جسم کو آرام دہ محسوس کرنے لگا۔ میں سانس لینے کے لئے ایک تالاب کے قریب بیٹھ گیا اور تالاب میں ہی موجود رنگ برنگی مچھلیوں کو دیکھنے لگا۔ جس سے میرے علم میں اضافہ بھی ہوا۔

ابھی میں تالاب کے قریب بیٹھا ہی تھا کہ مجھے پارک کے عین وسط میں کینو کا درخت نظر آیا جس پر بے شمار پھل لگے ہوئے تھے۔ یہ درخت اس پارک میں مرکزی کردار ادا کر رہا تھا اور توجہ طلب بات یہ کہ یہ پھل دار درخت پھلوں کے بوجھ سے زمین کی طرف جھکا ہوا تھا۔ میں نے جب اس درخت کو دیکھا تو مجھے نماز میں سجدے کی حالت یاد آگئی اور میں نے سوچا کہ جس طرح اس جھکے ہوئے درخت کو پھل لگے ہوئے ہیں بعینہٖ خدا تعالیٰ اپنے عاجز بندوں کو پھلوں سے نوازتا ہے اور اپنے بے شمار فضلوں کو بارش کی طرح برساتا ہے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ درخت میں سے ہلکی ہلکی سورج کی کرنیں آنے لگیں اور یہ کرنیں تالاب کے پانی میں سے منعکس ہو کر میری آنکھوں پر پڑیں۔ جب میں نے غور کیا تو میں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے کرنیں منعکس ہو کر اس تالاب میں پڑ رہی ہیں جس سے ایک دلکش نظارہ پیدا ہو رہا تھا۔ اب سورج قدرے بلند ہوگیا تھا اور موسم بھی گرم ہو رہا تھا۔ میں نے گھر کی طرف چلنا شروع کیا۔ راستے میں، میں نے ایک مسواک خریدی اور مسواک کرتا ہوا گھر آیا۔ اس دن میں اپنے آپ کو بہت زیادہ چست محسوس کر رہا تھا۔ سارا دن چہرے پر نئی تازگی اور مہک کو محسوس کرتا رہا۔ میرے وہ دوست جو میرے ہم عمر ہیں اور صبح کی سیر کو نہیں جاتے وہ مجھ سے صحت میں کمزور، سست اور لاغر ہیں۔ اب تو میرا معمول بن گیا ہے اور میرے علم میں بھی پہلے سے بڑھ کر اضافہ ہوگیا ہے۔

Monthly **KHALID** Rabwah

Digitized By Khilafat Library Rabwah

REGD. NO. L. 5830 *Editor. SAYYED MUBASHIR AHMAD AYAZ* Aug, 1992